اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْم

سوانح

حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ

محمود حسن حسنی ندوی

صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ

پہلا ایڈیشن

نام کتاب	:	سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقیؒ
نام مصنف	:	محمود حسن حسنی ندوی
صفحات	:	۲۳۶
سنہ اشاعت	:	مئی ۲۰۰۷ء
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	حشمت علی
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
قیمت	:	۷۰ روپے

ملنے کے پتے :

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ حرمین بکڈپو، کچہری روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

ناشر :

صدق فاؤنڈیشن

خاتون منزل، حیدر مرزا روڈ، گولہ گنج، لکھنؤ-226018

E-mail : info@sidqfoundation.com, nrsiddiqui@rediffmail.com

www.sidqfoundation.com Mobile : 9335929670

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

اتباع رسولؐ، حب نبیؐ، احیائے سنت، تعلیمات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی کا اہتمام اور اپنے فرائض کی انجام دہی کی تلقین رب کریم کے اس محبوب بندے کی حیات طیبہ کے روشن اور جلی عنوان ہیں جس کے پیکر خاکی کو دنیا ابرار الحق کے نام سے جانتی ہے۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو خاک دان عالم کو اپنے وجود مسعود سے منور کرنے والی ہر دوئی (یوپی) کی اس مشت خاک نے اپنے لیے دین اور دعوت دین کا راستہ اختیار کیا، اس مبارک سفر میں ان کو بتوفیق الٰہی حکیم الامت اشرف العلماء حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ جیسے مرشد کامل کی صحبت کیمیا اثر نصیب ہوئی۔ حضرت تھانویؒ کی ذات بابرکات ایسے آفتاب عالم تاب کی طرح تھی جس کی ضوفشانی سے درجنوں علماء، صلحاء، فقہاء، صوفیہ، مفسرین، مبلغین اور مدرسین آسمان علم وفضل پر ماہ تاباں بن کر چمکے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا قاری محمد طیب، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی، مولانا مسیح اللہ خاں شیروانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد عیسیٰ، خواجہ عزیز الحسن مجذوب اور مولانا شاہ ابرار الحق (اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے) وہ نمایاں اسمائے گرامی ہیں جو اس وقت نوک قلم پر آگئے ورنہ اس رشک آفتاب کہکشاں علم وفضل کے ستارے تو بے شمار ہیں۔

مولانا ابرار الحق حقیؒ اہل دل کی بارگاہ سے ''محی السنہ'' کے خلعت سے سرفراز ہوئے۔ حکیم الامت کے اس آخری خلیفہ نے اپنے مرشد روحانی کے وصال (۱۹۴۳ء) کے بعد ۶۲ برس تک خلق خدا

کی ہدایت واصلاح کا کام انجام دیا۔ انہوں نے ۸۵ برس کی عمر پائی اور ۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء کو اپنے رب غفور کے حضور میں حاضر ہو گئے۔

عشق رسولؐ اور احیائے سنت کے جذبے سے سرشار اسلامیان ہند کی اس محبوب ودلنواز ہستی کے سوانح، صفات، خصوصیات اور کمالات سے عام لوگوں کو واقف کرانے کی سعادت دنیائے اسلام میں مشہور وممتاز خانوادۂ علم اللّٰہی کے ایک سعادت شعار اور صاحب رشد نوجوان اہل قلم مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی زاد اللّٰہ علماً وفضلاً کے نصیب میں آئی۔ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں حضرت محی السنہ کے سوانحی نقوش مکمل موجود ہیں۔

مایہ ناز مفسر قرآن اور ممتاز ادیب وصحافی مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے کام اور پیام کی حفاظت واشاعت اور فروغ کے لیے سرگرم عمل ادارے صدق فاؤنڈیشن کے کارکنوں کے لیے نہایت مسرت کی بات ہے کہ مولانا محمود حسنی نے اپنی سعادت میں ان کو بھی اس طور پر شامل کرلیا کہ اس کتاب کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری ان کو دے دی۔

ہم مولانا موصوف کے شکرگزار ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہم مولانا انیس احمد ندوی انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے سپاس گزار ہیں کہ ان کی بیش قیمت رہنمائی سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہو پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل کو قبول فرمائے اور اس کتاب کے نفع کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔ آمین

نعیم الرحمٰن صدیقی
جنرل سکریٹری
صدق فاؤنڈیشن

۱۷ رمحرم ۱۴۲۸ھ
۶ رفروری ۲۰۰۷ء
خاتون منزل، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ۝

”بے شک نیک کار بڑی راحت میں ہوں گے“

فہرست

باب سوم

سوانحی نقوش: ۵۸-۱۱۵

باب چهارم

رمضان المبارک کا اہتمام اور حج و عمرے کے اسفار: ۱۱۶-۱۲۸

باب پنجم

علالت و وفات: ۱۲۹-۱۴۲

باب ششم

تزکیہ و اصلاح باطن: ۱۴۳-۱۶۴

باب هفتم

امتیازات وخصوصیات:۱۶۵-۱۷۸

باب هشتم

ملفوظات وہدایات:۱۷۹-۱۹۲

باب نهم : کتب ورسائل

باب دهم

تأثرات مشاہیر، معاصرین، متوسلین و متعلقین، رسائل وجرائد اور حصۂ نظم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

اللھم اتنی بفضلك افضل ما تؤتی عبادك الصالحین

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا وسیدالعالمین محمد وعلی آلہ وصحبہ وذریتہ اجمعین ومن تبعہ واستن بسنتہ واھتدی بھدیہ ودعا بدعوتہ الی یوم الدین اما بعد!

کاتب الحروف نے جن علمائے ربانیین، عارفین باللہ، مشائخ عظام وعلمائے کبار کا نام زمانۂ طفولیت سے سنا ان میں ایک قدآور شخصیت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی نوراللہ مرقدہ وبردمضجعہ کی بھی ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ راقم کے نانا حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو ملک وبیرون ملک سے ممتاز شخصیتوں کے تعزیتی خطوط آئے جن میں اکثر وبیشتر ان کے ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہٗ کے نام تھے انہی خطوط میں ایک حضرت مولانا ابرارالحق صاحب علیہ الرحمہ کا بھی خط تھا جوانہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندوی کو تحریر فرمایا تھا، اس وقت ہماری عمر ۱۰-۱۱ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اتنا یاد ہے کہ یہ خط مؤثر اور بڑے تعلق کا تھا، اسی طرح یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین ہے کہ راقم کے نانا مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ جب ہم لوگوں کی تعلیم میں سستی دیکھتے یا تربیتی کمی محسوس کرتے تو حضرت مولانا

ابرارالحق صاحب کے نظام تعلیم وتربیت کو یاد دلاتے اور وہاں سیکھنے کے لئے بھیجنے کو فرماتے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بھی ان کا تذکرہ سنتے یہ پہلی بار انہی سے سنا کہ مولانا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں ہیں، اور اسی نسبت سے وہ حقی لکھتے ہیں، ان کے نظم وضبط اور ان کے اصولوں وضابطوں اور ان کے ذوق نفاست ونظافت کی باتیں بھی گوش گزار ہوتی رہتیں، مگر پہلی زیارت لکھنؤ میں جلسۂ شہدائے اسلام کے موقع پر ہوئی جس میں وہ محترمی جناب مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی کی دعوت پر تقریر کے لئے تشریف لائے تھے، مصافحہ کا ہجوم ہوا تو فرمایا کہ ''یہ صحیح ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو گناہ معاف ہوتے ہیں، مگر اذیت وتکلیف میں ڈال کر مصافحہ کرنا یہ صحیح نہیں، اس لئے مصافحے کیجئے مگر نظم وترتیب سے، اور دائیں طرف سے شروع کیا جائے'' یہ ایسا نقش تھا جو دل پر ثبت ہوگیا، یہی پہلا نقش تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی زیارت، ملاقات اور استفادے کے مواقع بار بار عطا کیے۔

راقم آثم پر یہ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم ہے کہ اسے اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کا شوق اور ان کی بات سننے اور ان کی تحریر پڑھنے کا جذبہ شروع سے رہا ہے، ان بزرگان دین کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت اور تعلق حاصل ہوتا ہے اس کا فیض متعدی ہوکر ان سے متعلق لوگوں کو بھی پہونچتا ہے ان کی سیرت وتذکرے اور ملفوظات ومکتوبات کا مطالعہ ان کی صحبت اور بلاواسطہ استفادہ کا قائم مقام ہوتا ہے، دین کی نسبت سے آج یہی شوق وجذبہ ان نقوش وتاثرات کو پیش کرنے کا محرک بنا جو اس کے مشاہدے وتجربے میں آئے یا اور جن کے مشاہدے میں آئے تھے ان سے سننے کو ملے۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے سانحۂ ارتحال سے متاثر ہوکر اپنے جذبات وتاثرات کو پیش کرنے کی جرأت اس لئے بھی ہوئی کہ ہم لوگوں پر ان کے جو حقوق ہیں ان کا یہ

ایک ادنیٰ حق ہے کہ ان کی دینی وملی واصلاحی کوششوں سے دوسروں کو واقف کرایا جائے تا کہ لوگوں میں ان کی زندگی کے نمونے دیکھ کر صحیح زندگی گزارنے کا جذبہ پیدا ہو اور وہ معاشرہ کے لئے انفع واصلح بننے کی کوشش کرسکیں۔

حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ سے متعلق یہ تفصیلی مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ راقم کو اپنی زندگی کے ایک عظیم صدمہ سے گزرنا پڑا، کسی کے لئے بھی ماں کی وفات ذاتی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تصور کیا جاتا ہے، یہی سانحہ ۱۴رشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ کو دوشنبہ کی شب میں پیش آ گیا، جس نے ہمارے مختصر سے خاندان کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا، مگر قضا وقدر کے آگے تسلیم ورضا کا اصول وہ زریں اصول ہے، جس سے سخت ترین صبر آزما حالات میں بھی طمانینت اور سکون حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ وہ ایسی ماں تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہمیں قلم پکڑنا سکھایا اور لکھنے کی طرف بڑی رغبت دلائی اور دین ورجال دین کی عظمت دل میں بٹھائی، بڑی ناسپاسی ہوگی کہ ان کا شکریہ نہ ادا کروں، اللہ سے دعا ہے کہ انہیں اپنی بے پایاں رحمت ومغفرت اور دامن عفو میں جگہ دے اور مقربین میں شامل کرے۔ آمین۔

یہ میرے لئے عین سعادت کی بات ہوگی کہ میں اپنی اس کتاب کا انتساب ان کی ہی طرف کروں۔

ہمارے لئے یہ مسرّت وشرف کی بات ہے کہ خال محترم ومکرم مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب مدظلہ نے اس پر نظر ڈالی اور مفید مشوروں سے نوازا، پھر جد مخدوم ومعظم مولانا سید محمد واضح حسنی صاحب مدظلہ نے ازراہ شفقت اسے ملاحظہ فرمایا اور گرانقدر مقدمہ بھی تحریر کیا جو کتاب کی زینت ہے مزید ان کی عنایت یہ رہی کہ انہوں نے ہماری دلجوئی اور کتاب کی قیمت بڑھانے کے لئے جد معظم ومربی مخدوم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے بھی اس کتاب پر تقریظ تحریر کرنے کی بات کہی، حضرت مولانا دامت برکاتہم نے کتاب کے

بعض اجزاء کوملاحظہ فرمایا اور قیمتی کلمات بھی تحریر فرمائے اس بے بضاعت کے لئے یہ ایک عظیم تحفہ ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض و برکات سے ہمیں اور امت کو مالا مال کرے۔

کتاب کا آغاز جانشین محی السنۃ حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کے مضمون سے کررہا ہوں کہ وہی حضرت محی السنۃؒ کے سب سے زیادہ معتمد اور پھر جانشین بھی ہیں۔اس مضمون میں حضرت محی السنۃ علیہ الرحمہ کی حیات مستعار کے کوائف جامعیت کے ساتھ آگئے ہیں، اس کتاب کودس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاصر شخصیات اور اکابر علم وفضل کی نگاہ میں صاحب سوانح کا کیا مرتبہ و مقام تھا اور ان کی شخصیت کی زمانہ کو کتنی ضرورت تھی۔

دوسرے باب میں صاحب سوانح کے خاندانی اسلاف کے علمی ودینی واصلاحی خدمات کو بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ ان کا خاندان ہندوستان کب آیا۔اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر خصوصیت سے مشہور مؤرخ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب (م۱۹۹۷ء) کی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' رہی، جوندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کی تھی، یہ کتاب جو حضرت محی السنۃ علیہ کے جدامجد حضرت شیخ عبدالحق محدث اور ان کے خاندان سے متعلق سب سے مستند مأخذ ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرے باب میں سوانحی نقوش بیان کئے گئے ہیں جس میں جابجا ان کے اوصاف وکارناموں پر روشنی پڑتی گئی ہے۔

چوتھے باب میں رمضان المبارک، حج اور عمروں سے متعلق ان کے غیر معمولی اہتمام کو بیان کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں علالت، مرض وفات اور وفات کا حال بیان کیا گیا ہے۔

چھٹا باب تزکیہ وسلوک اور اس میں صاحب سوانح کے مقام اور ان کے طریقۂ تربیت

واصلاح سے متعلق ہے۔

ساتواں باب صاحب سوانح کی امتیازی خصوصیات سے متعلق ہے۔

آٹھویں باب میں صاحب سوانح کے ارشادات وفرمودات اور ہدایات ونصائح کا ایک انتخاب دیا گیا ہے۔

نواں باب ان کی کتب ورسائل کے تعارف پر مشتمل ہے۔

دسواں باب تاثرات کے ساتھ خاص ہے جس میں مشاہیر ومعاصرین اور رسائل وجرائد اور متوسلین ومحبین کے تأثرات کا ایک اختصار پیش کیا گیا ہے اور منظوم خراج عقیدت بھی دیا گیا ہے، نظمیں تو بہت تھیں، یہاں صرف تین نظموں پر اکتفا کیا گیا ہے اور یہ وہ نظمیں ہیں جن میں صرف منقبت نہیں ہے بلکہ وصیت ودعوت اور پیغام ہے، اس طرح اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کی با مقصد وبابرکت زندگی کا قارئین کے سامنے ایک نچوڑ پیش کردیا جائے تاکہ ایک نمونہ کی ایمانی واسلامی زندگی کو دیکھ کر دوسروں کے لئے بھی ایسی پاکیزہ زندگی گزارنے کا جذبہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دادا مخدومی جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب (داماد مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ) اور والد ماجد مخدومی جناب سید حسن حسنی صاحب کی عمر وصحت میں برکت دے اور عافیت وسلامتی کے ساتھ ان کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور دنیا وآخرت میں ان کے ساتھ خصوصی فضل کا معاملہ فرمائے کہ ان کی دعا وتمنا اور فکر وکوشش کا یہ ایک حصہ ہے۔ اور ہمارے ان سبھی محسنوں اور بزرگوں کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جن کی دعائیں اور توجہات ہمیں حاصل رہیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ہمیں اپنے جن رفقاء وعزیزوں کا اس کتاب کی تالیف وترتیب میں تعاون ملا ان میں خصوصیت سے برادرانِ عزیزان مولوی محمد نفیس خاں ندوی اور مولوی محمد اعظم ندوی جمشید پوری

قابل ذکر ہیں۔ بڑی ناسپاسی ہوگی کہ راقم اس موقع پر حافظ مصباح الدین صاحب کا شکریہ ادا نہ کرے جنہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افراد خانہ، متعلقین اور مسترشدین سے بڑا رابطہ قائم رکھا اور اس سلسلہ میں مصنف کو تقویت پہونچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ محترمی مولانا آفتاب عالم صاحب ندوی دھنبادی، مکرمی مولانا اقبال احمد ندوی غازی پوری اور رفیق گرامی مولانا انیس احمد ندوی کا بھی شکرگزار ہوں کہ ان حضرات سے طباعت کے مرحلہ میں بڑی مدد ملی، مولوی حشمت علی نے بڑی توجہ اور فکرمندی سے کمپوز کیا، مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی جنرل سکریٹری صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنے ادارہ سے اس کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اس کا عظیم صلہ عطا فرمائے۔ اور اس کوشش کو قبولیت بخشے آمین۔

محمود حسن حسنی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ

تکیہ کلاں رائے بریلی

بدھ ۲۸ر ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

۲۰ر دسمبر ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب اس آخری عہد کے بڑے مرشد و مصلح اور دینی مربی تھے، سنت نبوی کی پیروی پر خصوصی توجہ دلاتے اور ایک ایک سنت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کی پابندی کرنے کی ہدایت دیتے۔ یہ فکر و جذبہ ان میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ان کی کوئی مجلس شاذ ونادر ہی اس کے تذکرہ سے خالی ہوتی تھی، خاص طور پر عبادات کی سنتوں کی پوری واقفیت اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کرتے اور اپنے مدرسہ کے طلبہ کو تو خاص طور پر عبادات کی سنتوں اور اسلامی اخلاق وآداب، ان کی تعداد کی تلقین کرتے اور ان کی پابندی کی تعلیم دلواتے اور بعض بعض وقت اپنی مجلس میں سنتوں کی پابندی کے تذکرے کے ساتھ ان طلباء میں سے کسی طالب علم کو پیش کرتے اور اس سے کہلواتے کہ وضو میں کتنی سنتیں ہیں، نماز میں کتنی سنتیں ہیں، اور فرض کتنے ہیں، واجبات کتنے ہیں، اور طالب علم ان کو بآسانی یاد کیے ہوئے سبق کی طرح سنا دیتا، مولانا کا یہ عمل صرف عبادات کے معاملہ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ مسلمانوں کی زندگی کے دوسرے معاملات اور ثقافت کے مختلف اطوار کو بھی سنت نبوی کے اُصول پر پرکھتے اور ان میں جو غلط ہوتا ان کی غلطی کی طرف توجہ دلاتے، اور اظہار ناپسندیدگی کرتے، اور جو درست ہوتا اس کو پسند کرتے، مولانا کے یہاں ان معاملات میں صراحت اور تاکید بڑھی ہوئی تھی، اور یہ اپنے مرشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے طریقہ کے مطابق تھی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی اصلاح وارشاد کی کوششوں سے ہزاروں حضرات مرشد و مصلح بنے، غلطی پر ٹوکنے میں اور نظم واصول کی پابندی کرنے کی تاکید

میں اپنے عہد کے دوسرے مرشدین کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی صراحت رکھنے والے تھے، اور یہ صراحت بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق تھی، کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه وذلك أضعف الایمان

تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کا ہاتھ سے ازالہ کردے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرے اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو دل سے برا کہے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

یہ صراحت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مسترشدین میں خاصی حد تک منتقل ہوئی، اس میں مولانا شاہ ابرار الحق صاحب اپنے رفقائے طریقت کے درمیان کچھ بڑھے ہوئے ہی تھے، جس کو لوگ عام طور پر جانتے اور محسوس کرتے تھے، اور ان کی مجلس میں اس احتیاط کے ساتھ شرکت کرتے تھے کہ ان سے ایسی کوئی خلاف ورزی نہ ہو جو مولانا کی گرفت میں آجائے اور ان کو احساس ندامت میں مبتلا ہونا پڑے، وہ اپنی اس احتیاط کے ذریعہ مولانا کی مجلس سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی ہدایات کی پابندی کرتے تھے، حضرت مولانا نے اس طرح کی اصلاح وتعلیم کے لئے مختلف جگہوں پر ادارے بھی قائم کئے جو مجلس دعوۃ الحق کے نام سے ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم ہوئے، جہاں قرآن مجید کی اور شریعت کے بنیادی احکامات کی تعلیم دی جاتی ہے، اور عبادات اور آدابِ زندگی میں سنت کی پیروی کی عملی مشق کرائی جاتی ہے، مختلف موقعوں پر جو دعائیں ماثور ہیں، وہ یاد کرائی جاتی ہیں، فرائض وواجبات اور سنن کو ان کی تعداد کے لحاظ سے یاد کرایا جاتا ہے، مولانا سنتوں کو یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کے ساتھ اذان کو بھی صحیح اور سنت کے طریقہ سے دینے پر بھی بہت زور دیتے اور بہت لے کے ساتھ حروف کو غیر ضروری مدات کے ساتھ ادا کرنے پر اعتراض کرتے، اور اذان کو صحیح طریقے سے دینے کی تاکید کرتے تھے، اس طرح حضرت مولانا نے اپنے رفقائے ارشاد وتربیت کے درمیان تعلیم وتربیت کا اپنا خصوصی انداز اختیار کیا تھا، جس سے بہت سے لوگوں کی اصلاح وتربیت ہوئی اور بڑا فیض پھیلا۔

حضرت مولانا اپنے اس ارشاد و تربیت کے کام کے ساتھ ساتھ دین سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں سے بھی ربط رکھتے، اوران کی پذیرائی کرتے، اور جو لوگ دین کے سیکھنے کا جذبہ رکھتے ہوتے وہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کچھ وقت رہ کر وہ ان باتوں کو سیکھتے اور استفادہ کرتے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ان خلفاء میں تھے جو بہت کم عمری میں خلافت سے سرفراز ہوئے تھے، اور شاید اسی کا اثر تھا، کہ حضرت تھانوی کے خلفاء میں وہ آخری خلیفہ تھے، جن سے امت کے طالبان دین وارشاد محروم ہوئے، اوران کی وفات سے ایک وسیع خلا محسوس کیا جانے لگا، کیونکہ ان کے درجہ کے مرشدین ان سے پہلے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، حضرت مولانا تو اپنی دینی کوششوں کو اخلاص وتندہی کے ساتھ انجام دینے کے بعد اس دار فانی سے دار باقی کی طرف منتقل ہو گئے لیکن اپنے اصلاح وارشاد کے کام کے لیے اپنے خلفاء کی ایک تعداد چھوڑ گئے جو الحمدللہ ان کے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اوران سے فیض پھیل رہا ہے، مولانا نے کچھ تصنیفات بھی چھوڑی ہیں، جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، مولانا کی وفات پر لوگوں نے ان کی شخصیت اور کام پر کتابیں لکھی ہیں، جن میں اپنے اپنے تجربات اور معلومات پیش کی ہیں، جو بعد میں آنے والوں کے لیے مولانا کی شخصیت اور کام سے واقفیت کا ذریعہ ہیں، اس زیر نظر کتاب کے مصنف عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلّمہ، حضرت مولانا کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے ہیں جن میں کئی بار تو میرے ساتھ بھی حاضر ہوئے، اور میرے بغیر بھی حاضر ہوئے، نیز حضرت کے جانشین جناب الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب سے بھی ان کا ربط رہا ہے، اس بنا پر ان کو بھی یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور خصوصیات اور اصلاح وارشاد کے سلسلہ میں ان کے طریقۂ کار کو جتنا انہوں نے مطالعہ کیا ہے، پیش کریں، ماشاء اللہ ان کو ایسی چیزوں اور ایسے معمولات سے دلچسپی بھی رہتی ہے، اوراس کو وہ سمجھنے کا اہتمام رکھتے ہیں، اوران کو اپنی ان معلومات کو پیش کرنے کا الحمدللہ سلیقہ بھی ہے، لہٰذا ان کی یہ پیش کش امید ہے کہ پسند کی جائے گی، اوراپنی افادیت بھی ثابت کرے گی، اوراس کی ضرورت بھی ہے کہ مختلف انداز نظر رکھنے

والے اپنے مشاہدات وتجربات کے ذریعہ اس عظیم شخصیت کا تعارف کرائیں کہ اس طرح ان کی شخصیت کے مختلف پہلو زیادہ بہتر طریقہ سے سامنے آسکتے ہیں، میں ان کی اس کوشش کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ اس کو پسندیدگی اور حصول معلومات کے لحاظ سے دیکھا جائے گا، اور یہ مفید ثابت ہوگی۔

محمد رابع حسنی ندوی
دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی
تکیہ کلاں رائے بریلی

جمعرات: ۱۰ ر شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الانبياء والمرسلين سيدنا محمد بن عبدالله الامين وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعهم باحسانٍ ودعابدعوته الى يوم الدين امابعد!

محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب حقی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مسلک اور طریقۂ اصلاح کی آخری علامت تھے، حضرت مولانا تھانویؒ کا دائرہ اصلاح پوری زندگی تھی اس لئے ان کو حکیم الامت کا خطاب دیا گیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے ہر شعبہ میں جو انحراف پیدا ہو گیا ہے، اور رسم ورواج کے اثرات غالب آ گئے ہیں، ان کی اصلاح کے لئے متعدد رسالے لکھے۔ اپنی تحریروں میں ان کی طرف متوجہ فرمایا، اور مجالس میں بھی گفتگو میں سماجی اور انفرادی زندگی میں اسلام کی تعلیمات سے انحراف کو موضوع بنایا۔ حضرت تھانویؒ کے اس نہج کو مختلف شکلوں اور زاویوں میں ان کے خلفاء نے قائم رکھا، آخری عہد میں مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے اس کے متعدد جوانب پر اپنی توجہ مرکوز رکھی، جو تھانوی سلسلہ کی علامت بن گئی تھی، پاکستان میں عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی کی مجالس میں بھی اس کی جھلک نظر آئی تھی۔

اصلاح کی یہ فکر قرآن کریم کی اس آیت کی تصویر ہے، جس میں کہا گیا ہے، "لا خير في كثير من نجواهم الا من امر بصدقة اومعروف او اصلاح بين الناس" اور کہا گیا ہے

”ولكم فى رسول الله اسوة حسنة“۔

اورحدیث شریف جس میں کہا گیا ہے۔لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به۔

اگراس سلسلہ کی خصوصیت کو چند جملوں میں بیان کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ انفرادی اوراجتماعی زندگی اور عبادت میں ”اسوۂ رسول“ کی اتباع کے التزام کی دعوت ہے، زمانہ کے اثر سے یا دوسری قوموں کے اختلاط سے یا معاصر علماء کی غلط تشریحات یا مشائخ وصوفیا کے طرز عمل سے یا عجمی تصوف کے غلو سے جو عدم توازن پیدا ہو گیا ہے اور جو رسوم وعادات اس عہد میں زندگی میں رائج ہوگئی ہیں، اوران سے خود علماء متاثر ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے وہ اسلامی معلوم ہوتی ہیں، مگر حقیقت میں اسلامی کے بجائے وہ رواجی ہیں، ان کی اصلاح کی دعوت اس سلسلہ کی خصوصیت قرار پائے گی۔

مثلاً طہارت کا اہتمام ہر سلسلہ میں ملے گا، مگر نظافت اور نفاست کے اہتمام کا فقدان پایا جائے گا، بلکہ اس کو دینداری کے خلاف سمجھا جاتا ہے، عبادت اور دوسری دینی ذمہ داریوں کے درمیان توازن اور تناسب نہیں ہے، عبادات ہیں، اخلاق اور معاملات میں کوتاہی ہے۔

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کے سارے شعبوں میں تناسب کی دعوت دیتا ہے، عبادات، اخلاق، معاملات، دعوت، اور جہاد اسلام میں متناسب شکلوں میں پائے جاتے ہیں، حتی کہ آداب طعام، آداب مجلس، آداب تعلیم وتربیت اورسلوک اور معرفت میں تناسب پایا جاتا ہے، اور ہر شعبۂ زندگی کو اس کا حق دینا اسلام کی تعلیم کی بنیاد ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ نے ان گوشوں کی طرف توجہ دلائی جو اکثر مصلحین کے ذہنوں سے دور ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے اپنی کوششوں کو ان اصلاحی پہلوؤں میں سے خاص طور پر چند پہلوؤں پر مرکوز کر دیا تھا، اگر چہ ان کی پوری توجہ بنیادی طور پر اتباع سنت پر تھی، اسی لئے ان کو محی السنہ کا خطاب دیا گیا، لیکن خاص طور پر سنت کے بعض پہلوؤں پر ان کی توجہ

زیادہ تھی، اور جہاں ان کو اس میں انحراف نظر آتا، چاہے وہ علماء اور مصلحین کے طریقوں میں ہو وہ اس کی طرف توجہ مبذول کراتے، اور اس میں تسامح نہ برتتے تھے۔

اس کے لئے مولانا نے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم کے ساتھ سنت کی اتباع کی مشق کو ترجیح دی جاتی ہے، طلبہ اور اساتذہ کو اس کا پابند بنایا جاتا تھا۔

مدرسہ کے علاوہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو اس کی تربیت دی جاتی، جس میں قرآن کریم اور نماز کی اصلاح اور دائیں بائیں کے فرق کو جس کی طرف سے اس زمانہ میں بڑی غفلت برتی جارہی ہے، بیان کیا جاتا۔

تیسرا طریقہ مولانا کی مجالس تھیں جو عمومی ہوتی تھیں، ان میں سنت کی اتباع پر زور دیا جاتا، اور مثالیں دے کر اس کو واضح کیا جاتا، چوتھا طریقہ اسفار تھے، جو مولانا کثرت سے کرتے، یہ اسفار بھی اصلاح کا ذریعہ تھے، مولانا کا جہاں قیام ہوتا، وہاں اس کا اہتمام ہوتا، چاہے یہ اسفار علاج کی غرض سے ہوں، یا آرام کی غرض سے مولانا کی گفتگو سنت کی اتباع پر مرکوز ہوتی، جو ملنے آتا، اس میں کوئی خلاف سنت بات محسوس کرتے تو متوجہ فرماتے۔

اس اعتبار سے مولانا کی پوری زندگی اصلاحی زندگی تھی اور خود مولانا اس کا نمونہ تھے۔

مولانا کی توجہ جن امور کی طرف عام طور سے مرکوز رہتی تھی ان کو تفصیل سے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں البتہ مولانا کی اصلاح وتربیت کے چند بنیادی پہلوؤں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو میری کوتاہ نظر میں آئے، وہ حسب ذیل ہیں:

ا۔ سلام میں ''ال'' اکثر ساقط ہوجاتا ہے، مولانا اس پر فوراً تنبیہ فرماتے، کہ ''السلام علیکم'' کہنا چاہئے۔

۲۔ قرآن کریم کی تلاوت میں عربی تلفظ کا اہتمام مثلاً الحمد للہ میں ''د'' کے پیش کو عربی طریقہ سے ادا کرنا اس کو مثال سے سمجھاتے، دو اور تو میں کیا فرق ہے بیان کرتے اسی طرح ''ح'' اور ''ھ'' کا فرق بیان کرتے۔

۳۔ ملاقات کے بعد عمر یا صلاح کے اعتبار سے ترجیح دیتے، اس پر اکثر متوجہ فرماتے۔

۴۔ چائے پیش کرتے ہوئے داہنے جانب کو ترجیح دینا، اس پر اکثر تنبیہ فرماتے اور اس میں کسی کو ترجیح دینے پر ناگواری ظاہر کرتے، ایک مجلس میں فرمایا اگر کسی کے اکرام میں اس کے خلاف عمل ہو جائے تو فوراً اس کی تصحیح کرنا چاہئے، اس کے بعد داہنی طرف بیٹھنے والے کو چائے دینی چاہئے۔

۵۔ مسجد سے نکلنے اور داخلے کے بعد سنت کے اتباع کا اہتمام اس کے لئے انہوں نے اپنی مسجد میں ایک نظام قائم کر دیا تھا کہ داخل ہوتے ہوئے اور نکلتے وقت سنت کی اتباع ہو سکے۔

۶۔ معانقے کے وقت یہی داہنی جانب کو ترجیح دینے کا حکم دیتے ایسا نہ ہونے پر وہ تنبیہ فرماتے، اور معانقہ و مصافحہ کرنے میں دائیں جانب کو ہی ترجیح دیتے، اور کوئی اس کے خلاف کرتا تو انہیں سخت ناگواری ہوتی اور اس پر وہ تنبیہ فرماتے۔

۷۔ امراض و مصائب کے ذکر پر زندگی کے احتساب اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے، اور دعا کے اہتمام کی ترغیب دیتے، اس کے لئے مولانا نے کچھ ہدایات تیار کرائی تھیں، جو ضرورت مندوں کو دی جاتی تھیں۔

۸۔ مدارس کے طلبہ میں دینداری، امانت اور صدق کے جذبات اور عادات کے فروغ کی تلقین کرتے، مولانا فرماتے تھے کہ مشکوٰۃ اور حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھنے والے اگر اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہیں، تو ان کی تعلیم سے کیا فائدہ مدارس میں اس کی تربیت کی ضرورت پر زور دیتے تھے، اس کے طریقے مدرسوں والوں کو بتاتے، مولانا کا خیال تھا کہ مدارس کے طلبہ کا اخلاقی امتحان بھی ہونا چاہئے، مثلاً پیسے راستے میں ڈال دیئے جائیں، امتحان میں نگرانی کے بغیر چھوڑ دیا جائے، اور دیکھا جائے کہ طلبہ میں امانت و دیانت کا کیا معیار ہے۔

۹۔ اذان کے مروجہ طریقہ سے مولانا کو سخت ناگواری ہوتی تھی۔

۱۰۔ اذان کے بعد دعا کی اصلاح کا اہتمام کرتے، وہ فرماتے تھے "انک لاتخلف المیعاد" ثابت نہیں، مگر رائج ہو گیا ہے۔

۱۱۔ وضو، غسل اور نماز سے متعلق مسائل کے حفظ پر اصرار، اس کے لئے مسائل کی ایک ضروری

فہرست تیار کرا کر اپنے مدرسہ کے طلبہ کو یاد کرانے کا اہتمام کرتے تھے، اور اس کا امتحان ہوتا، مولانا فرماتے: علماء کو مسائل کا استحضار ہونا چاہیے، مسائل کے چارٹ تیار کرا کے مسجدوں میں تقسیم کراتے۔

۱۲۔ نمازوں کے اوقات میں اس کا خیال کہ جماعت کے بعد اتنا وقت رہے کہ اعادہ کیا جائے۔

۱۳۔ حفظ قرآن پر بہت زیادہ زور دیتے، اور حفاظ کے اکرام کی تلقین کرتے، اور عام طور پر حفاظ کو کم درجہ دیا جاتا ہے، مولانا اس پر ناگواری ظاہر کرتے، کہ کلام پاک جس کے سینہ میں ہو اس کا اکرام ہونا چاہیے۔

مولانا اپنے اصولوں میں تسامح کے قائل نہیں تھے، سنت اور اسلامی اخلاق و معاملات میں مخالفت پر گرفت فرماتے، چاہے مخاطب کسی حیثیت کا ہو، چاہے وہ میزبان ہو، سماجی کمزوریوں، پردہ کے عدم اہتمام میراث کی تقسیم میں کوتاہی، والدین کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی وغیرہ پر اپنی مجالس میں سخت تنبیہ فرماتے۔

مولانا کے یہاں رواج کی کوئی اہمیت نہیں تھی، بلکہ ان کے نزدیک شریعت مطہرہ اور سنت نبوی ہی قابل اتباع ہے، اس کی مخالفت مولانا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

پیش نظر سوانح محی السنۃ عزیزی مولوی محمود حسن حسنی ندوی (استاد مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں میدان پور رائے بریلی) نے مرتب کیا ہے جو برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے نواسہ ہیں، اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں بار بار حاضری کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں، عزیز موصوف نے اپنی اس کتاب میں اپنے مشاہدہ پر مبنی تاثرات بیان کئے ہیں، اور واقعات کی روشنی میں مولانا کی زندگی کی ایک جھلک پیش کی ہے، اور مجالس و ملفوظات سے ایک انتخاب بھی پیش کیا ہے، جو انہوں نے حضرت کے ہی ایک نامور خلیفہ اور داعی و مصلح مولانا حکیم محمد اختر صاحب (کراچی) اطال اللہ بقاءہ کی مرتب کردہ کتاب ''مجالس ابرار'' سے ترتیب دیا ہے۔

شروع میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے خلیفہ و جانشین محترمی الحاج حکیم کلیم

اللہ صاحب دامت برکاتہ کا وہ مضمون بھی شامل کردیا ہے جو انہوں نے ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء لکھنو کے لئے سپرد قلم کیا تھا، جس میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اہم گوشے سامنے آگئے ہیں۔

محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کی وفات سے تربیتی واصلاحی میدان میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، مولانا سے ملنے والا ہر شخص مولانا کی اس تڑپ اور فکر کو محسوس کرسکتا تھا کہ ہماری زندگی سنت کے مطابق ہوجائے، اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا موضوع کوئی چھیڑتا تو مولانا مختصر جواب دے کر اپنے اصل موضوع کی طرف آجاتے تھے۔

اس وقت پوری دنیا میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، حضرت مولانا کے نزدیک اس کا بنیادی سبب اسلام پر پوری پابندی نہ کرنا ہے، حضرت مولانا سے بعض خواص جب بھی کسی حادثہ کا ذکر کرتے، تو مولانا یہی فرماتے، کہ مسلمانوں کی زندگی کیسی ہے، اور اسلام سے ان کا تعلق کس درجہ کا ہے، اور اسکے بعد سماج کی خرابیوں کا ذکر کرتے، اور اصلاح کی ضرورت پر زور دیتے۔

امید ہے کہ اس کتاب سے مولانا کی شخصیت کے اس بنیادی پہلو کی طرف رہنمائی ملے گی اور اصلاح کی فکر پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو عام کرے اور مفید بنائے۔ آمین

اس ناچیز کو بھی برادر گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی رفاقت میں اور کبھی تنہا حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تو اس کا بار بار تجربہ ہوا، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے چہرۂ مبارک ہی سے سنت کی اتباع کا نور چمکتا ہوا نظر آتا تھا، اور مولانا کی مجلس میں شرکت سے سنت کی اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس سلسلہ میں تقصیر کا احساس ہوتا تھا۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی
تکیہ کلاں رائے بریلی

۵؍شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

سوانحی خاکہ

حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ

از: جانشین محی السنۃ حضرت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب مدظلہ

آپ کا نام نامی ''ابرار الحق'' تھا، والد ماجد ''محمود الحق صاحب'' تھے جن کا ہردوئی کے معروف ومشہور بڑے وکیلوں میں شمار ہوتا تھا نیز آپ کے والد حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز صحبت تھے۔

آپ کی ولادت ۲۰ / دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔ تاحیات ہردوئی میں قیام رہا، حضرت والا محی السنۃ کی زندگی از ابتدا پابند شریعت تھی، آپ نے ۲۱ سال کی عمر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ محی السنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ '' آپ طالب علمی کے زمانے سے صاحب نسبت تھے''۔

کارنامے:

حضرت محی السنہؒ نے ۱۹۴۲ء میں ''اشرف المدارس'' کا سنگ بنیاد رکھا، جمعہ کے دن مسجد میں اعلان کروادیا کہ '' مدرسہ کا آغاز ہورہا ہے جو حضرات اپنے بچوں کو بھیجنا چاہیں وہ بھیجیں ان پر کوئی مالی بار نہیں پڑے گا، پہلے ہی دن مسجد کے صحن میں چار پائی ڈلوائی، ہردوئی کے دو طالب علم شروع دن میں ہی تشریف لائے، اس طرح سے مدرسے کا آغاز ہوا، جو تادم تحریر جاری ہے۔

''دعوۃ الحق'' کا قیام ۱۹۵۰ء کو ہردوئی میں عمل میں آیا، ۱۹۵۳ء میں آپ نے مکاتب کا

اجراء فرمایا، ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ کو پہلا مکتب اسہی اعظم پور میں قائم کیا، وہاں کے پہلے مدرس منشی احمد صدیق تھے جو موضع رسول پور آنٹھ میں بھی کام کرتے تھے۔ ضلع ہردوئی کی چاروں تحصیل میں ۴۴ مکاتب ہیں اور دیگر اضلاع میں ۲۵ ہیں۔ دیگر صوبہ جات میں ۲۷ ہیں اور تا مرگ محی السنہ کے ۹۶ مکاتب زیر نگرانی تھے۔

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے مجاز بیعت وخلافت تھے، پھر مرشد تھانویؒ کی وفات کے بعد خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے وابستہ رہے، ان کے بعد شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے انتساب بیعت کیا، پھر قطب العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رہا، ان کے وصال کے بعد مولانا محمد احمد صاحبؒ پرتاپ گڑھی سے فیض اٹھاتے رہے، ان کے یہاں بہت اہتمام سے جاتے تھے۔

طرز زندگی:

محی السنہ کی پوری حیات نمونۂ اسلاف تھی، سادگی، بے ساختگی، اصلاح امت کی فکر، سیاست اور کسی بھی سیاسی جماعت سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا۔ ہر خاص وعام سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ہر اس شخص کا درد دل میں رکھتے جس کو تکلیف و پریشانی ہو۔ خاص بات یہ تھی کہ پریشان و مضطرب شخص بھی حضرتؒ سے مل کر قلبی سکون پاتا تھا، اس کی پریشانی کے حل کی صورتیں نکلتی تھیں، پر تکلف غذائیں پسند نہیں فرماتے تھے، ہر چیز میں نظم پسند فرماتے تھے، خلاف اصول کاموں کو برداشت نہیں فرماتے تھے، خلاف شریعت بات پر برجستہ بروقت و برموقع نکیر فرماتے تھے۔ اس میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، ہر وقت پیش نظر رضائے الٰہی کا غلبہ رہتا تھا، کل حیات اصلاح معاشرہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ترویج واشاعت میں دینی تعلیم کو فروغ دینے میں، قرآن شریف کی عظمت ومحبت ساری امت کے دلوں میں پیدا کرنے، سنت کے مطابق تلاوت کرنے کی اہمیت دلانے میں صرف کی، اکابرین واسلاف سے ملاقات کا اہتمام کرتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ خاص طور پر حضرت

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کے لیے دومرتبہ تشریف لے گئے جس پر حضرت والا نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا رابع صاحب ندوی سے بے حد محبت وعقیدت فرماتے تھے، خاص طور پر جب حیدرآباد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر کا انتخاب ہورہا تھا تو حضرت محی السنہ نے بورڈ کے لیے اور مولانا رابع صاحب کے لئے دعائیں کی تھیں۔ نیز کئی مرتبہ محی السنہ علیہ الرحمہ نے مولانا رابع صاحب کو بطور خاص اپنے مدرسہ اشرف المدارس کے جلسے میں مدعو فرمایا اور تقریر کروائی۔

حضرت محی السنۃ کا جب بھی لکھنؤ سے علی گڑھ و بمبئ جانا ہوتا تھا تو حضرت محی السنہ کے سامنے ندوہ کی بات رکھی جاتی تھی تو حضرت نہایت خوشی سے قبول فرمالیتے۔ اور جب بھی ندوہ تشریف لے جاتے تو پہلے ہی بذریعہ ٹیلی فون حافظ مصباح الدین سے اطلاع کرواتے۔ پھر ندوہ جاکر طلبہ واساتذہ سے اصلاحی وتربیتی خطاب فرماتے، حضرت مولانا رابع صاحب ندوی بھی بغرض ملاقات ودعا ہر دوئی آیا کرتے تھے۔ اور حضرت والا کے تمام اہل خانہ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو اپنا بڑا تسلیم کرتے تھے، نیز مولانا رابع صاحب ندوی بھی حضرت محی السنہ کو اپنا رہبر وسرپرست گردانتے تھے، فرد خانہ کی حیثیت سے آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔

خلفاء:

محی السنہ علیہ الرحمہ کے دو قسم کے خلفاء ہیں:

(۱) مجازین بیعت

(۲) مجازین صحبت

مجازین بیعت کی تعداد ۱۰۳ ہے، اور مجازین صحبت ۳۶ ہیں۔

مجازین بیعت ہندوستان میں ۶۰، پاکستان میں ۶، انگلینڈ میں ایک، امریکہ میں ایک، افریقہ میں ۳، سعودی عرب میں ۵، بنگلہ دیش میں ۲۷ ہیں۔ جن میں حکیم محمد اختر صاحب

کراچوی، (پاکستان) مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلہ دیشی، مولوی ایوب صاحب، (انگلینڈ)، مولوی یحیٰ صاحب بھام افریقی، مولوی سلیمان صاحب ڈھانچی، عبدالحق صاحب ڈیسائی افریقی، جدہ میں انوارالحق صاحب اورمولانا عبدالرحمٰن صاحب حیدرآبادی، اعجاز صاحب حیدرآبادی، مدینہ طیبہ میں جناب منصورعلی خاں صاحب، اور مکہ مکرمہ میں قاری خلیق اللہ صاحب ہیں اور بھی دیگر خلفاء ہیں جن کا ذکر اس مختصر تحریر میں اختصار کے پیشِ نظر ترک کیا گیا ہے(۱)۔

پسماندگان:

حضرت والاؒ کے کل پانچ بھائی اور ایک بہن تھیں۔ دو بھائی حیات ہیں، ایک پاکستان میں اور ایک علی گڑھ میں، حضرت کی اہلیہ محترمہ ودختر نیک صالحہ حیات ہیں، حضرت والا کے تین نواسے اور تین نواسیاں ہیں، جن میں حضرت کے نواسے علیم الحق سلمہ مجاز بیعت ہیں۔

حضرت کے صاحبزادے حافظ اشرف الحق، ۲۸ سال کی عمر میں ۱۹۷۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، آپ نہایت متقی و پرہیز گار وزیرک تھے۔

حضرت والاؒ نے اخیر وقت میں مرادآبادی مضمون کی تقسیم واشاعت کا بہت خاص اہتمام فرمایا، اور زبانی بھی سب کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔

باب اوّل

شخصیت کی ضرورت اور مقام و مرتبہ

شخصیت کی ضرورت اور مقام ومرتبہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم ودعا بدعوته واستن بسنته واهتدى بهديه الى يوم الدين، وبعد!

تکمیل شریعت کے بعد تجدید دین واحیائے سنت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، اب ان کی شریعت ہی آخری شریعت ہے، اور ان کا لایا ہوا دین آخری اور مکمل دین ہے جو کہ دین اسلام ہے، اس کو نعمت بنا کر امت محمدی علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام کو عطا کیا، ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (سورة المائده، آیت:۳)

ترجمہ: ''آج میں نے آپ کے لئے آپ کا دین مکمل کر دیا، اور آپ پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور آپ کے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا''۔

اس کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کے ساتھ اپنے تعلق ومحبت کو مربوط کیا اور اپنی ذات سے قرب واختصاص کے لئے اس کو لازم کیا، جس کے لئے یہ آیت کریمہ شاہد عدل ہے:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.........'' (سورہ آل عمران، آیت ۳۱)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں

پسند کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا''۔

یہ انسانی مزاج ہے اور تاریخی حقیقت کہ مرور زمانہ اور حالات کے تغیرات سے نئے نئے افکار سامنے آتے ہیں، اور انسان کے اپنے طور وطریق میں تغیر آتا ہے، اسی طرح دین وشریعت کی تازگی وشادابی بھی اس انسانی مزاج اور حالات کے تغیر سے متاثر ہونے لگتی ہے، اس تازگی وشادابی کو بحال کرنے کے لئے اور آسمانی تعلیمات کے جن شعبوں کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے، یا ان میں کوئی تحریف ہوجاتی ہے اس کی تجدید اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ علمائے امت اور مصلحین میں سے اپنے بعض بندوں کا انتخاب فرما کر تجدید دین اور احیائے سنت وشریعت کا کام لیتا ہے۔ دین کے مختلف شعبے ہیں، ایمانیات، اسلامیات اور احسانیات اس کے کلیدی حصے ہیں، ایمان کو تقویت احکام اسلام وشریعت سے پہونچتی ہے، اور اس کی تکمیل وتحسین کا کام ''احسان'' سے ہوتا ہے جسے باطنی اعتبار سے تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب اور ظاہری اعتبار سے احکام اسلام وشریعت کی بجاآوری (ان آداب وسنن کے لحاظ سے جو نبوی لیل ونہار سے ماخوذ ہیں)، کہا جائے گا، حتی کہ مزاج نبوی کی بھی رعایت رکھ کر اپنی زندگی ڈھالی جائے اور وہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان اعمال کی ادائیگی کے وقت یہ استحضار پیدا ہونے لگے کہ احکم الحاکمین جس کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اور وہاں جو پوچھ گچھ ہونی ہے، اس کے سامنے کیا جواب دیں گے، اور یہ کہ رب العالمین کی نگاہ ہماری تمام حرکات وسکنات اور قول وقرار پر ہے، اسی کا نام ''احسان'' ہے جسے ''تزکیہ'' کہتے ہیں اور خیر القرون کے دور کے بعد ''تصوف وسلوک'' اس کا نام پڑ گیا اور پھر آگے بڑھ کر دوسرا تشریحی لفظ پردۂ خفا میں چلا گیا اور صرف ''تصوف'' نام رہ گیا۔ اس پر علاقائی مزاج اور طبائع کے اثرات پڑنے شروع ہوئے اور عجمی ممالک میں اس کے دائرہ کار کے اعمال عجمی رنگ لئے بغیر نہ رہ سکے، اور عجمیت کے جراثیم اس کے اندر سرایت کر گئے، اور معاشرہ وماحول میں اس طرح داخل ہوگئے کہ روحانی صحت کو نقصان پہونچانے والے یہ کیڑے صحت بحال کرنے والے اور امراض کو دور کرنے والے

کیڑے سمجھے جانے لگے، ضرورت تھی کہ امت میں ایسے افراد سامنے آئیں جو اس غلط فہمی کو واضح کریں اور دین صحیح کی تعلیمات کو سامنے لائیں۔

مصلحین ومجددین امت اور ہندوستان

تجدید دین واصلاح امت کا کام اللہ تعالیٰ اپنے اپنے زمانہ میں الگ الگ لوگوں سے (نوعیت کے فرق اور زمانی ومکانی دائرہ کے اختلاف کے ساتھ) لیتا رہا ہے، کوئی دوران سے خالی نظر نہیں آتا، دین کے ان تمام شعبوں کا جامع مجدد بھی ہوا اور کسی ایک شعبہ کا خاص مجدد و مصلح بھی ہوا، تزکیہ واحسان اور حکمت واخلاق کے راستے سے تجدید کا کام بھی برابر ہوتا رہا، مگر ہندوستان میں سب سے پہلے اس کا سہرا امام سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر آتا ہے اس کے بعد امیر المومنین مجدد قرن ثالث عشر حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی شخصیت اپنے انقلابی اثرات کے ساتھ سامنے آئی، جب کہ ان دونوں شخصیتوں کے درمیان حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعدد ومتنوع کمالات اور احیائے علوم شرعیہ وتجدید علوم اجتماعیہ کے کام کے ساتھ سامنے آچکے تھے اصلاح وتجدید کے ان ائمہ ثلاثہ کے کام اور فکر کو اس کی اہمیت اور نزاکت کے ساتھ سمجھ کر اس کو فروغ واستحکام بخشنے والی شخصیتوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند)، حضرت مولانا خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی، حضرت مولانا عبداللہ غزنوی (ثم امرتسری) کو خصوصی امتیاز حاصل ہوا، انہی شخصیتوں میں ایک نام حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا بھی ہے، جو ندوۃ العلماء کے بانی وناظم اول ہوئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تجدیدی واصلاحی کام

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت ایک پُر اثر

اور اہم ترین شخصیت کے طور پر سامنے آئی کہ جنہیں دین کے ایک اہم شعبہ دعوت وتبلیغ کے راستہ سے احیاء دین کا کام اور کار تجدید انجام دینے والے بزرگ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ''مجدد تصوف وسلوک'' کہہ کر ان کی عظمت وعلومرتبت کی شہادت دی تھی، اور اس طرح اپنے عہد کے لوگوں کو ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے ارشاد وتربیت کا کام انجام دیا، اور معاشرہ میں رواج پائی ہوئی خرابیوں کے ازالہ کا کام کیا، اس میں ان کی شخصیت اپنی مثال آپ ہے کہ ایسے باریک باریک روحانی امراض کی طرف ان کی نگاہ گئی جو اس پانی کے کیڑوں کی طرح اپنا کام کررہے تھے جسے برابر صاف شفاف سمجھ کر پیا جاتا ہے، لیکن وہی پانی جب فلٹر (Filter) ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں متعدد جراثیم تھے۔

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق حقیؒ

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو جو خلفاء اور مسترشدین وتلامذہ عطا فرمائے تھے وہ ان کے کام میں ان کے معاون اور ان کے اصحاب جماعت وشریک کار کہے جائیں گے، ایک ایک اپنے شیخ کے مزاج واخلاق کا اپنی جگہ نمونہ نظر آئے گا، بعض معروف خلفاء ہی کا نام لیا جائے تب بھی ایک طویل فہرست سامنے آجائے گی، مصلح الامۃ حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری، خواجہ عزیز الحسن مجذوب، علامہ سید سلیمان ندوی، شاہ عبدالغنی پھولپوری، ڈاکٹر عبدالحی عارفی، مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا قاری محمد طیب صاحب کے کارناموں اور خدمات سے کون واقف نہیں ہوگا؟ اس سلسلہ کی آخری کڑی محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی کی ذات گرامی تھی کہ جنہوں نے زمانۂ طالب علمی سے یہ رنگ اپنے اوپر چڑھانے کی کوشش کی تھی، ہم جیسے کوتاہ نظر اور کوتاہ علم یہ بات کہیں تو حقیقۃً یہ بے وزن سی ہوگی اور گویا یہ تحسین ناشناس ہوگی، لیکن یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو دیکھا تھا اور پھر انھیں دیکھا جنہوں نے ان کی

صحبت اٹھائی اور پھران کی رفاقت حاصل کی۔

شیخ وقت حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب (اطال اللہ بقاء ہ ومتعنا بہ والمسلمین) نے اپنی پوری زندگی ہردوئی میں حضرت ہردوئی کے ساتھ لگادی اوراس پوری مدت رفاقت میں جس اطاعت وانقیاد اور محبت وتعلق کا ثبوت دیا اس کی نظیر بھی ملنی مشکل ہے، تنہا ان کا سلوک ومعاملہ کافی ہے جو آپ کے مدرسہ وخانقاہ میں جمعہ میں بیان بھی فرماتے اور مجلس میں کتاب بھی پڑھتے، آپ کے مزاج وطبیعت کا نہ صرف پاس ولحاظ رکھتے بلکہ اپنی شخصیت کو بالکل مٹا کر رکھا۔

> حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کی مجلس میں حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کا ذکر آیا، حضرت جی حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا کہ ''میں تو مفتی محمود صاحب، مولانا ابرارالحق، مولانا صدیق اور علی میاں چاروں (حضرات) کے لئے نام لے کر دعا کرتا ہوں کہ اب تو یہی بڑے رہ گئے ہیں''۔(۱)

ان کے علاوہ راقم سطور نے اپنے جن بزرگوں کا حضرت محی السنہ کے ساتھ خصوصی معاملہ دیکھا ان میں مرشد گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نوراللہ مرقدہ بھی ہیں، آخری بار جب حضرت محی السنہ حضرتؒ کی عیادت کے لئے ندوہ تشریف لائے تھے تو اس موقع پر راقم بھی حاضر تھا، جب حضرت محی السنہ حضرت علیہ الرحمہ سے مل کر رخصت ہونے لگے تو ان سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ ہماری مغفرت کی دعا کیجئے گا۔اس کے بعد پھر ان دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی، البتہ تبادل ہدایا اور مراسلت ہوئی، حضرت کا ایک ہدیہ جو جانماز کی شکل میں تھا حضرت محی السنہ کو پیش کیا گیا تو جس عقیدت وتعلق سے انہوں نے لیا پھر اپنے سر پر رکھا، لبوں پر رکھا، آنکھوں کی نظر کیا۔کیا خوب منظر تھا! بسر وچشم کا محاورہ سنتے آئے تھے یہاں اس کی حقیقت وکیفیت کا نظارہ کیا۔

---

(۱) احوال وآثار حضرت جی نمبر، صفحہ ۴۲۸، مرتبہ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی۔

مربی محترم حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی (بارك الله في حياته ونفعنا به والامة) اور ان کے ساتھ حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب زید مجدہم حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے اور یہ اس طرح حاضری ہوتی جو معرفت کے ایک طالب کی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد پہلے ایک سال کی مدت میں ۹-۱۰ بار تو میرے شمار میں ہے، یہ اس کے علاوہ ہے جو حضرت والا ہردوئی کی لکھنؤ تشریف آوری یا کسی سفر پر جانے یا واپس آنے کی مناسبت سے ہوتی تھی، اور حضرت والا ہردوئی اپنے انشراح سے ندوۃ العلماء بھی آجایا کرتے تھے، اور ندوۃ العلماء کے تعلق سے ایک بار یہ فرمایا بھی کہ یہاں ظاہری راحت بھی حاصل ہوتی ہے اور باطنی بھی (۱)۔

حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کو حکیم الامت تھانویؒ کا عکس جمیل کہا اور سمجھا جاتا تھا، حضرت کے سبھی خلفاء اور مشائخ کبار کی موجودگی میں بھی اور بعد میں بھی جب کہ وہی یادگار سلف اور اس بزم کے آخری چراغ رہ گئے تھے۔ اس مناسبت سے راقم آپ کے متعلق چند علمائے کبار و مشائخ عظام کے تاثرات نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے:

مفتی اعظم پاکستان و ترجمان مسلک دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی فرماتے ہیں:

---

(۱) مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہم کے ساتھ بار بار راقم کو بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، ہر بار میں نے انھیں اس طرح دیکھا کہ وہ اپنا برتن خالی کر کے آئے ہیں، اپنے تمام عہدے، علمی کمالات وصلاحیتیں اور شہرت و مقام کو بھلا کر آئے ہیں، ایسا دوزانو حاضر خدمت ہوتے جیسے علم وسلوک کا سچا طالب ہو، نیازمندی، مرتبہ شناسی، پاس وادب کے پیکر ہوتے، ہردوئی کے علاوہ بھی لکھنؤ، علی گڑھ، بمبئی یا اور کسی مقام میں قیام کی اطلاع ملتی اور یہ حضرات اس شہر میں ہوتے تو حاضری کے لئے ضرور وقت نکالتے، اس سلسلہ میں صحیح اطلاع لینے اور پروگرام معلوم کرنے میں برادرم حافظ مصباح الدین کا بنیادی حصہ رہا جو اس کی برابر فکر کرتے رہے، اور شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر خاص نظر عنایت رہی۔

''جناب مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ اپنے مرشد کے طریق پر اخلاق و معاملات کی اصلاح اور تربیت وتزکیہ، تعلیم وتدریس کی خدمات پورے انہاک کے ساتھ انجام دے رہے ہیں''۔

جب کہ ایک دوسری بلند پایہ شخصیت علامۂ عصر ومحدث جلیل مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''حضرت تھانوی قدس سرہ کی نسبت جذب نے ان کو اپنا مجذوب بنا کر ان کی زبان کو اپنے پر کیف مواعظ سُنانے کے لئے انتخاب فرمایا''۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بلند پایہ ومرجع خلائق خلیفہ اور محبوب ومعتمد علیہ مسترشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی علیہ الرحمہ کی شہادت ہے:

''(ان کو) اللہ تعالیٰ نے ظاہری وباطنی اوصاف سے نوازا ہے''۔

مزید فرماتے ہیں :

''موصوف نے تحصیل علوم درسیہ کے بعد اپنی ساری عمر اشاعت دین اور اصلاحِ امت کے لئے وقف کر دی ہے''۔

اور یہ بھی کہا کہ:

''ان کے تمام ملفوظات میں ہمارے حضرت والا (یعنی حکیم الامت تھانویؒ) کا مذاق اور مسلک جھلکتا ہے''۔

ایک مجلس میں اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بڑی ترقیات سے نوازا ہے''۔

کراچی کے ایک بڑے مجاہد عالم، مفتی وبزرگ حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محی السنہ کے کام ومقام کو دیکھ کر پوری صراحت وقوت سے یہ بات تحریری طور پر فرمائی کہ:

''رہبران قوم نے نہی عن المنکر کے فریضہ کو تو ایسا بھلا دیا کہ گویا یہ حکم سرے سے

شریعت میں ہے ہی نہیں، اس سے بھی بڑھ کر منکرات کی مجالس میں علانیہ شرکت بلکہ اپنی مجالس میں منکرات کی کھلی چھٹی دے کر عوام کو فتنۂ اباحیت میں مبتلا کر دیا ہے، میں اطراء فی المدح اور کسی کی مدح کے ضمن میں تنقیص غیر سے پناہ مانگتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اصلاح منکرات کا جو کام حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے لے رہے ہیں وہ آج دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا''۔

اور حضرت حکیم الامت کے ایک دوسرے قریبی مسترشد و مجاز صحبت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ:

''مولانا یادگار حکیم الامت ہیں''۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک مجلس میں اس تاثر کا اظہار جسے انہوں نے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا بیان سن کر کیا تھا کہ:

''آج کانوں میں ان باتوں کی آواز آرہی ہے جو ہم تھانہ بھون میں سنا کرتے تھے''۔(۱)

مزید کسی شہادت واعتراف سے مستغنی کر دیتا ہے اور خود ان کی زندگی جو عبادت واستقامت، تعلیم وارشاد، تربیت وتوجیہ اور دین کی راہ میں مشقتیں اٹھانے اور جہد مسلسل سے عبارت رہی ہے، کسی بالغ نظر عالم، بلند پایہ شیخ اور نہ ہی اس مورخ کی جو کہ تاریخ اصلاح وعزیمت پر نظر رکھتا ہو اس کی عظیم المرتبت دینی وروحانی شخصیت کو ثابت کرنے کے لئے کسی شہادت وتوصیفی کلمات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

---

(۱) مندرجہ بالا تاثرات ''مجالس ابرار'' مرتبہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب کراچوی سے ماخوذ ہیں۔

باب دوم

خاندان اور اس کی علمی و دینی اور اصلاحی خدمات

خاندان کی ہندوستان آمد

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے، آغا محمد بخارا کے رہنے والے تھے، تیرہویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ وخون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل اور مایوس ہوکر ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئے خود شیخ محدث نے لکھا ہے:

''ترکوں کی ایک بڑی جماعت بھی جو ان سے سلسلۂ قرابت اور رابطۂ بیعت رکھتی تھی، اپنے اصلی وطن سے منتقل ہوکر ان کی خدمت میں یہاں آگئی''(اخبار الاخیار، ص۲۸۹)

یہ سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) کا دور حکومت تھا، مسلمانان ہند کا سیاسی وثقافتی عروج انتہا کو پہونچ چکا تھا''(۱)

ان کی آمد جس زمانہ میں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب گجرات کی مہم کی تیاریاں ہورہی تھیں، سلطان خلجی نے انہیں گجرات مہم پر بھیجا، فتح گجرات کے بعد وہ وہیں سکونت پذیر ہوگئے، وہ کثیر الاولاد تھے یہاں تک لکھا گیا ہے کہ (۱۰۱) اولاد تھیں، مگر انہیں اس صدمہ سے گزرنا پڑا کہ ایک کے بجائے سبھی اولاد فوت ہوگئیں، وہ اپنے ان اکلوتے فرزند کو لے کر دہلی واپس آگئے، ان کا نام ملک معزالدین تھا، آغا محمد ترک (فاتح گجرات) نے تزک واحتشام کو خیرباد کہا اور عزلت نشینی اختیار کرلی، دہلی میں ہی مشہور چشتی بزرگ شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے معاصر شیخ

(۱) ملاحظہ ہو کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی''، صفحہ:۵۱، تالیف پروفیسر خلیق احمد نظامی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی۔

طریقت شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ کو پکڑا، ان کے مرید ہوکر وہیں معتکف ہوگئے، اور سلطان محمد بن تغلق کے زمانہ میں ۱۷؍ربیع الآخر ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۸ء کو وفات پائی، اولاد میں یہی ایک ملک معزالدین تھے، اللہ نے ان کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا، بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''سو انسانوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرمادیا تھا''۔

ملک معزالدین کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی، مگر فیروز شاہ تغلق (متوفی ۱۳۸۸ء) کے عہد کے بعد دہلی اور اس کے اردگرد کا علاقہ جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہوا اس سے وہ بددل ہوکر ماوراء النہر چلے گئے، مگر حالات نے پھر مجبور کیا اور وہ واپس ہندوستان آگئے، شیخ عبدالحق محدث کا کہنا ہے ''امیر تیمور گورگان کے ساتھ وہ دہلی آئے اور اپنے بزرگوں کے سلسلہ کا احیاء کیا، اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی''۔

شیخ فیروز

ملک موسی کے کئی بیٹیوں میں ایک شیخ فیروز تھے، وہ علم سپہ گری، شعروشاعری، سخاوت ولطافت سب میں وحید عصر اور یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے، شیخ فیروز ۸۶۰ھ-۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہوئے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> ''لڑائی پر جانے سے قبل ان کی بیوی جوان دنوں حاملہ تھیں ان کو روکنے کی کوشش کی تو جواب دیا ''میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ بیٹا ہو اور اس سے نسل چلے اس کو اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، نہ معلوم اب مجھے کیا پیش آئے''۔ کچھ دنوں کے بعد شیخ سعد اللہ (شیخ محدث کے دادا) پیدا ہوئے''۔(۱)

شیخ سعد اللہ

شیخ سعد اللہ نے ابتدائی زمانہ تحصیل علم میں گذارا، پھر سلوک واحسان کی طرف متوجہ

(۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ:۵۶۔

ہوئے، مصباح العاشقین حضرت شیخ محمد منکن سے سلوک طے کیا، شاہ مصباح العاشقین، حضرت گیسو دراز گلبر گوی کے سلسلہ کے بزرگ تھے، شیخ سعد اللہ علم ومعرفت میں اونچا مقام رکھتے تھے، جب انتقال کا وقت آیا تو ان کے بیٹوں میں شیخ سیف الدین چھوٹے تھے، اور بہت عزیز تھے، انتقال سے کچھ عرصہ پہلے تہجد کے وقت قبلہ رو کھڑا کر کے اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے یہ دعا کی کہ:

''الٰہی! اس لڑکے کو یتیم وبیکس چھوڑ رہا ہوں اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں تو ہی اس کی تربیت اور حفاظت فرما''۔

کچھ ہی دنوں کے بعد ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو وصال ہو گیا۔(۱)

شیخ سیف الدین بخاری آفتاب علم بن کر نمودار ہوئے، ان کے ایک بھائی شیخ رزق اللہ تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے والد شیخ سیف الدین اور چچا شیخ رزق اللہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ رزق اللہ کی نسبت سوز وگرمی کے لحاظ سے ایسی تھی جیسے کہ راکھ کے نیچے آگ دبی ہوئی ہو، جوں ہی ذرا سا اس کو کریدا، آگ نکل آئی، اور اس کے برعکس والد ماجد کی یہ حالت تھی جیسے کہ کسی چیز سے پانی برابر ٹپکتا رہے، ان کو اگر معمولی سی تکلیف بھی پہونچتی تھی تو فوراً آنسو بہنے لگتے تھے''(۲)۔

شیخ رزق اللہ علم ومعرفت کی جامع شخصیت تھے، عربی فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے، ہندی میں بھی ان کے کئی رسالے ہیں۔

مولانا سیف الدینؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد اور معروف بزرگ شیخ ادہن دہلوی (مولانا

---

(۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ ۵۸

(۲) ایضاً صفحہ ۵۹

زین العابدین) کے داماد ہیں (۱)، ۹۴۰ھ (۱۵۱۴ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے، مولانا عبدالحی حسنی نزھۃ الخواطر (جلد چہارم) میں لکھتے ہیں:

"الشیخ الفاضل سیف الدین بن سعدالله بن فیروز البخاری الدهلوی أحد رجال العلم والطریقة، ولدونشأ بدهلی فی بیت علم وصلاح، وأخذ عن الشیخ عبدالملك بن عبدالغفور الپانی پتی، وعن غیره من العلماء والمشائخ، وصحبهم واستفاض منهم، وله رسالة تسمیٰ بالمكاشفات فی الحقائق والتوحید، وله سلسلة الوصال منظومه بالفارسیة، وكان شاعراً مجیدالشعر صاحب أذواق ومواجید".

''شیخ فاضل سیف الدین بن سعد اللہ ابن فیروز بخاری دہلوی مردان علم وطریقت میں تھے، دہلی میں علم وصلاح کے گھر میں پیدا ہوئے، اور وہیں پروان چڑھے، شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی سے استفادہ کیا، ان کے علاوہ اور بھی علماء ومشائخ سے فیض اٹھایا، اور توحید وحقائق کے بیان میں ان کا ایک رسالہ مکاشفات اور ایک مثنوی 'سلسلۃ الوصال فارسی میں ہے اور وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے، صاحب ذوق ووجد تھے''۔

مولانا سیف الدین حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید وخلیفہ تھے، جنھوں نے ۱۲ربیع الآخر ۹۵۷ھ کو وفات پائی، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مولانا سیف الدین کے علمی مقام کے تعلق سے لکھا ہے کہ وہ اکابر علماء میں نہ تھے، لیکن اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ علوم دینی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق یہ ہے:

---

(۱) شیخ ادہن دہلوی (مولانا زین العابدین) سلسلۂ سہروردیہ کے بڑے شیخ تھے سلطان ابراہیم لودھی نے شاہی ملازمت قبول کرنے کو کہا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، اور قناعت اختیار کرلی، ان کے نواسہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں ''علم وتقویٰ کے انوار ان کی پیشانی پر چمکتے تھے، اکثر روزہ رکھتے تھے اور حلال وحرام لقمہ کی بڑی احتیاط کرتے تھے''، ۹۳۶ھ کو انتقال فرمایا، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ ۶۲۔

''آج تک شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے علمی خانوادے کا آغاز ان ہی کی ذات سے کیا جاتا تھا، مگر حکیم صاحب (حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ڈھاکہ) کے پاس ایک دستاویز ایسی ہے جو اس آغاز کو ایک پشت اوپر تک لے جاتی ہے، یعنی علامہ ذہبی کی ''الکاشف'' جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے، جس کے پہلے صفحہ پر مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین ترکؒ کے قلم کی ایک عبارت تحریر ہے''(۱)

آخر وقت میں خوف وخشیت کا غلبہ تھا پھر ذوق وشوق کی کیفیت طاری ہوگئی، اور ایمان ویقین کے ایک اچھے حال میں ۲۷رشعبان ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء کو انتقال کیا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کی قابل فخر یادگار ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

ماہ محرم ۹۵۸ھ مطابق (۱۵۵۱ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت میں والد ماجد مولانا سیف الدین کا خاص حصہ تھا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''شیخ محدثؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور خیالات کے نشو ونما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا، ایام طفلی ہی سے انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی، شیخ محدث کا بیان ہے کہ: ''رات دن میں ان کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا''(۲)

آگے لکھتے ہیں:

''شیخ محدث کے والد ماجد نے ان کو بعض ایسی ہدا تیں کی تھیں جن پر شیخ تمام عمر عمل پیرا رہے اور جو آج بھی ان کی خاص شان اور مخصوص روایات کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہیں''(۳)

---

(۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ: ۷۰ بحوالہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۲۹ء، صفحہ ۸۷۔
(۲) ایضاً، صفحہ ۷۶ بحوالہ اخبار الاخبار، صفحہ ۳۰۰، (۳) ایضاً، صفحہ ۷۸، بحوالۂ سابق۔

والد ماجد کی ہدایات میں ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

''کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا، اور تکلیف نہ پہنچانا، علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطہ ہوتی ہے، یہ لاحاصل چیز ہے اس سے منافرت اور مخالفت کے سوتے اُبل پڑتے ہیں''۔(۱)

تعلیم وتربیت میں ان کا طریقۂ کار یہ رہا کہ مروجہ نصاب اور رائج طریقۂ تعلیم کی پابندی نہیں کی، بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا، اور ان کے تعلیمی انہماک کا یہ حال تھا کہ کھیل کود، آرام، تفریح وسیر سے بالکل بے پرواہ ہوکر پڑھا، یہاں تک کہ جاڑے کی شدت، گرمی کی سختی کا بھی احساس نہ ہونے دیتے اور منہمک رہتے، خاموشی اور یکسوئی کو لازم کرر کھا تھا، کم عمری میں تکمیل کرلی اور حرمین شریفین کے سفر پر روانہ ہوگئے، سفر حجاز سے قبل ایک سال گجرات میں گذارا جہاں زمانہ کے جید عالم شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے استفادہ مقدر تھا، شیخ محدث حجاز مقدس میں تین سال (۹۹۶ھ تا ۹۹۹ھ) رہے، وہاں کے محدثین سے حدیث کی کتابوں بالخصوص صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا، اور مولانا عبدالوہاب متقی سے بھرپور استفادہ کیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علماء حدیث میں سے تھے جنہوں نے مکہ معظّمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ شیخ محدث نے علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی کی تعلیم بھی ان سے لی، وہاں سے مدینہ طیبہ گئے، وہاں ان کا حال یہ ہوا کہ دیار حبیب میں جب داخل ہوتے تو برہنہ پا ہوجاتے تھے۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں آئے شیخ نے ان کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی کہ وہاں کے لوگوں کے جو حقوق ہیں ان کو جاکر ادا کرو۔ انہوں نے بات مانی اور ہندوستان آگئے، اور یہیں رہ کر علم ودین کی اشاعت وخدمت میں اپنی عمر تمام کردی، مگر ان کی شہرت اور پہچان حدیث شریف اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے زیادہ ہوئی، یہاں تک کہ یہ کہا

---

(۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ ۷۸۔

جانے لگا کہ حدیث شریف کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے آپ ہی ہیں، مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیث پاک کی طرف خواص وعوام کی توجہ کو مبذول کرانے کا غیر معمولی کارنامہ آپ ہی نے انجام دیا، مولانا عبدالحی حسنی ''یادایام'' (تاریخ گجرات) میں لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق کی جلالت قدر میں کچھ شبہ نہیں انہوں نے حدیث شریف کی بڑی خدمت کی ہے، برسوں درس دیا، کتابوں کے ترجمے کیے اور اس فن شریف کو جو کبریت احمر اور عنقائے مغرب ہورہا تھا ہر کہ ومہ تک پہنچا دیا، لیکن اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کہ حضرت شیخ ہنوز عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے، اس وقت گجرات میں شیخ الاسلام زکریا، شمس الدین سخاوی، اور علامہ ابن حجر مکی کے تلامذہ کی درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں، اور تشنگان حدیث ان سے سیراب ہورہے تھے''۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:

''بہر حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انہوں نے اس تنگ وتاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہوگیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہوکر دہلی آ گیا'' (۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صدق واخلاص اور برکت انفاس سے حدیث کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انہوں نے اس کے درس ومطالعہ تدریس اور شرح وتحشیہ کا ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کردی'' (۳)

---

(۱) صفحہ: ۶۹۔۷۰۔ (۲) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ ۴۳۔

(۳) تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم، صفحہ ۱۸۱۔

حدیث شریف اور سنت نبوی کے علاوہ جن موضوعات میں شیخ محدث کا کام ملتا ہے، ان میں تفسیر، تجوید، عقائد، فقہ، تصوف واخلاق، اعمال واوراد، فلسفۂ ومنطق، تاریخ وسیر، اور علم نحو وغیرہ ہیں، مکاتیب واشعار اور خطبات سے بھی انہوں نے اصلاحی ودعوتی کام لیا، تصانیف کی تعداد ۴۹ ذکر کی جاتی ہے جن میں ایک ''المکاتیب والرسائل'' ہے جن میں ۶۸ رسائل شامل ہیں، جن کو الگ الگ شمار کیا جائے تو تعداد ۱۱۶ ہو جاتی ہے، شیخ محدث نے جن موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اس میں ان کی نیت ومقصد شریعت وسنت کی خدمت اور اس کو تقویت پہونچانا تھا، شیخ محدث کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی کا زمانہ ہے، دونوں ایک ہی شیخ کے دست گرفتہ تھے یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے حضرت مجدد صاحب سے شیخ کا اختلاف مؤرخین ذکر کرتے ہیں، مؤرخین کو تقویت شیخ کے ہی ایک رسالہ سے ملتی ہے جو شیخ محدث نے حضرت مجدد صاحب کے بعض نظریات وطریقۂ کار سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا تھا، مگر وضاحت سامنے آنے کے بعد شیخ نے اپنی رائے بدل دی، اور حضرت مجدد صاحب کے کارناموں کا کھلے دل اعتراف کیا۔

شیخ محدث کی کتابوں میں جو زیادہ مشہور ہوئیں ان میں خصوصیت سے لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح، ۲۔ماثبت بالسنة، ۳۔مدارج النبوة، ٤۔اخبار الاخیار، ٥۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب قابل ذکر ہیں، شیخ محدث کا بیعت وسلوک کا تعلق یکے بعد دیگرے چار مشائخ سے رہا، اولاً والد ماجد مولانا سیف الدین سے تھا، پھر انہی کے اشارے اور حکم سے حضرت سید موسیٰ گیلانی قادری سے تعلق قائم کیا جو سلسلۂ قادریہ کے عظیم المرتبت شیخ اور حضرت سید حامد گنج بخش کے فرزند وخلیفہ تھے، ان سے سلسلۂ قادریہ میں شیخ محدث کو خلافت ملی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے مکہ معظّمہ کے قیام میں شیخ عبدالوہاب متقی سے تعلق قائم کیا تھا، یہ صاحب کنز العمال شیخ علی متقی کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے، ان سے شیخ محدث نے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ، اور مدنیہ چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل کی، ہندوستان واپسی پر خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری دی، اور ان کی خدمت میں

رہ کر ذکر، مراقبہ، ربط، حضور، اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی، اس طریقہ سے ان کو نقشبندی نسبت بھی حاصل ہوئی، خواجہ باقی باللہ دہلوی، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بانی سلسلۂ نقشبندیہ کے طریقہ میں شیخ محمد املنگیؒ کے خلیفہ تھے، شیخ محدث نے ۹۴ سال کی عمر پائی ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں دہلی میں ہی انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔(۱)

اخلاف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تین فرزند تھے، شیخ نورالحق، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم، تینوں صاحبزادگان علم وفضل اور تقویٰ ودیانت میں ممتاز تھے، شیخ نورالحق اور ان کی اولاد کا یہاں ہم ذکر کریں گے کہ ان کی نسل میں علم ودین، حدیث وسنت کی خدمت کا ایک تسلسل نظر آتا ہے، جس کی آخری کڑی محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۰۵ء) ہوئے۔

شیخ نورالحق

مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس علم (حدیث شریف) کی خدمت اور نشرواشاعت کا بیڑا اٹھایا، اور ان کے بعض تلامذہ اور اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے، مثلاً شیخ الاسلام شارح بخاری اور ان کے صاحبزادے مولانا سلام اللہ مصنف ''محلیٰ'' و''کمالین''۔(۲)

مصنف تاریخ دعوت وعزیمت لکھتے ہیں:

''علامہ مفتی نورالحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) جنہوں نے صحیح بخاری کی فارسی میں چھ

---

(۱) شیخ محدث کی تصنیفی خدمات کی واقفیت کے لئے ملاحظہ ہو ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' صفحہ: ۱۵۷ تا ۲۱۹، از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ (۲) ملاحظہ ہو اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند) از مولانا عبدالحی حسنی، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

جلدوں میں شرح لکھی، اور شمائل ترمذی پر بھی ان کی شرح ہے، اس سلسلہ میں ان کے (یعنی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے) شروع کیے ہوئے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے، لیکن ان کو زیادہ درس وتدریس واشاعت علم حدیث کا موقع نہیں مل سکا، ان کے نبیرہ مولانا شیخ الاسلام دہلوی بھی بڑے محدث تھے، جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے''(۱)

مصنف نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں:

"لہ مصنفات جلیلۃ یلوح علیہا أثرا لقبول الرحمانی"

ترجمہ: ''ان کی جلیل القدر تصنیفات ہیں جن کی عنداللہ قبولیت ظاہر ہوتی ہے''۔

مؤرخ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''شیخ محدث کے فرزند اکبر شیخ نورالحق ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت باپ ہی کے آغوش میں پائی، شیخ محدث ان کو اپنا وجود ثانی کہا کرتے تھے، شیخ عبدالحق دہلوی کی توجہ کا مرکز مشکوۃ تھی تو شیخ نورالحق کی کوششوں کا محور صحیح بخاری، شیخ نورالحق نے اپنے عظیم المرتبت باپ کی طرح بیشتر وقت علم حدیث کی تبلیغ وترویج میں صرف کیا، ۹ر شوال ۱۰۷۳ھ کو نوے سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور اپنے باپ کے احاطۂ مزار میں سپرد خاک کیے گئے''(۲)۔

مولانا فخر الدین دہلویؒ

شیخ نورالحق کے ایک فرزند شیخ نوراللہ تھے ان کے چار بیٹے تھے:

۱۔ شیخ سیف اللہ، ۲۔ شیخ علیم اللہ، ۳۔ شیخ محبّ اللہ، ۴۔ شیخ جاراللہ۔

شیخ سیف اللہ کی شمائل ترمذی کی شرح ''اشرف الوسائل'' ہے، شیخ محبّ اللہ بھی علم وفضل میں ممتاز ہوئے صحیح مسلم کی شرح ''منبع العلم'' انہی کی ہے، یہ علم حدیث کا ذوق اور سنت

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم، صفحہ: ۱۸۲۔

(۲) حیات شیخ عبدالحق محدث، صفحہ: ۲۵۷۔۲۶۱۔

نبوی سے تعلق ان کے دونوں صاحبزادوں مولانا حافظ فخر الدین اور شیخ نورالحق ثانی میں منتقل ہوا۔"(۱)

مولانا فخر الدین کے بارے میں مصنف نزہۃ الخواطر کے الفاظ ہیں:

"الشیخ العالم الکبیر المحدث فخرالدین بن محب اللہ بن نوراللہ بن نورالحق بن عبدالحق البخاری الدھلوی کان ذا علوم متعددۃ و مصنفات مشھورۃ، لم یزل یشتغل بالفقہ والحدیث ویخدمھا کثیراً مثل آبائہ الکرام تصنیفاً وتدریساً"۔(۲)

ترجمہ: "شیخ عالم کبیر محدث مولانا فخر الدین بن محبّ اللہ بن نوراللہ بن نورالحق بن عبدالحق بخاری دہلوی متعدد ومتنوع علوم میں دستگاہ رکھتے تھے ان کی مشہور کتابیں ہیں، برابر حدیث وفقہ کے علم میں مشغول رہے اور اپنے خاندانی اسلاف کی طرح تصنیف وتدریس کے راستہ سے ان کی بڑی خدمت کی"۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین حدیث کے جید عالم تھے، انہوں نے اپنے باپ کی شرح (صحیح مسلم) منبع العلم پر نظر ثانی کی اور اس کو از سر نو ترتیب دیا، حصن حصین کی فارسی شرح لکھی، علاوہ ازیں عین العلم مصنفۂ شیخ محمد بن عثمان بن عمر بلخی کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔(۳)

مولانا شیخ الاسلام دہلوی

یہ مولانا فخر الدین کے صاحبزادے اور جلیل القدر محدث تھے، بڑی علمی شہرت حاصل

(۱) ملاحظہ ہو حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی صاحب، صفحہ: ۲۶۱، پروفیسر نظامی نے فہرست تصانیف اولاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں حافظ فخر الدین کی تصنیفات میں شرح منبع العلم، شرح عین العلم، اور شرح حصن حصین کا ذکر کیا ہے اور منبع العلم کو ترجمہ صحیح مسلم بتا کر شیخ محبّ اللہ کا کام بتایا ہے، صفحہ ۲۶۵۔

(۱) نزہۃ الخواطر، ج۶، صفحہ: ۲۲۶۔

(۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ: ۲۶۲۔

کی، صدر الصدور کی خدمات بھی انجام دیں، ان کا عہد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا عہد ہے اور یہ وہ دور تھا کہ بقول خلیق احمد نظامی صاحب: ''سکھوں، مرہٹوں، جاٹوں وغیرہ کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک بوجھ بنا دیا تھا''۔

مصنف نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم المحدث شيخ الاسلام بن فخرالدين بن محب الله بن نورالله بن نورالحق بن الشيخ المحدث عبدالحق البخاری الدهلوی أحدمشاهير المحدثين، أخذ عن أبيه عن جده عن المفتی نورالحق وله شرح بسيط علی صحيح البخاری بالفارسی فی ستة مجلدات، قال فيه: ان له رواية عن جده الشيخ عبدالحق بلاواسطة لأنه أجاز لأولاده وأحفاده وأصحابه وأحبابه اجازة عامة كما هو مصرّح فی ثبته والاجازة بهذا جائزة عند المحدثين"(۱)

شیخ سلام اللہ محدث اور ان کی اولاد

شارح بخاری مولانا محمد شیخ الاسلام دہلوی کے نامور و عظیم المرتبت فرزند شارح مؤطا شیخ سلام اللہ محدث دہلوی ثم رامپوری اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے، مولانا عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر جلد ۷ میں لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم المحدث سلام الله بن شيخ الاسلام بن فخرالدين الدهلوی أحد كبار العلماء كان من نسل الشيخ عبدالحق بن سيف الدين البخاری الدهلوی له مصنفات ممتعة أشهرها "الكمالين" علی "الجلالين" فی التفسير "والمحلی" شرح "المؤطا" فی الحديث، وله شرح علی "شمائل الترمذی" وله خلاصة المناقب" فی فضائل أهل البيت ورسالة فی أصول الحديث"(ملخصاً)

صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) نزہۃ الخواطر، جلد ۶، صفحہ: ۱۱۹

''وہ فقیہ فاضل، محدث کامل، مفسر متبحر، علامۂ عصر، محقق اور مدقق تھے''۔(۱)

جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''وہ دہلی کے حالات سے بددل ہوکر رام پور چلے گئے تھے اور وہاں درس وتدریس کا کام اعلیٰ پیمانہ پر شروع کردیا تھا، ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ میں وصال فرمایا اور بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں سپرد خاک کیے گئے، حیات شیخ عبدالحق، صفحہ:۲۶۳۔

دو صاحبزادے تھے، شیخ نورالاسلام اور (مولانا) محمد سالم، شیخ نورالاسلام علوم عقلیہ ونقلیہ اور علم ریاضی میں کمال رکھتے تھے، علم طب سے بھی دلچسپی تھی، مولانا غیاث الدین صاحب ''غیاث اللغات'' نے طب انہی سے پڑھی تھی، شیخ نورالاسلام کچھ عرصہ رام پور میں مفتی بھی رہے تھے''(۲)

شیخ محمد اکرام مصنف رود کوثر لکھتے ہیں:

''مولوی سلام اللہ نے بھی حدیث کی اشاعت کے لئے بڑی کوشش کی، صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور اصولِ حدیث پر عربی میں ایک کتاب اور مؤطا کی شرح لکھی جو شاہ ولی اللہ کی شرح مؤطا سے زیادہ جامع سمجھی جاتی ہے۔ شیخ سلام اللہ کی وفات ۱۷۸۵ء میں ہوئی، شیخ سلام اللہ کے بیٹے شیخ نورالاسلام نے حقیقت زمان ومکان پر دو رسالے لکھے تھے''۔(۳)

خانوادۂ حقی تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''حدیث سے وہ والہانہ تعلق جو شیخ محدث سے لے کر مولانا محمد سالم تک خاندان کی

---

(۱) حدائق الحنفیہ، صفحہ ۴۶۸۔ (۲) ان دونوں بزرگوں مولانا نورالاسلام اور مولانا محمد سالم کی بھی کتابیں ہیں مصنف حیات شیخ عبدالحق محدث نے اول الذکر کی پانچ کتابیں، اور مؤخر الذکر کی چھ کتابیں ذکر کی ہیں، ملاحظہ ہو حیات شیخ عبدالحق صفحہ:۲۶۶۔ (۳) اردو کوثر، صفحہ ۶۱۶، مصنف حیات شیخ عبدالحق نے مولانا نورالاسلام کے اصول حدیث پر بھی ایک رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

خصوصیت تھی بعد کو کسی بزرگ میں نظر نہیں آتی، اس خاندان کے دو آخری بزرگوں مولانا انوار الحق حقی مرحوم دہلوی اور مولانا برکت علی حقی مرحوم دہلوی کو اپنے بزرگوں کی روایات کا بڑا خیال تھا، انہوں نے شیخ محدث کی تصانیف کی حفاظت اور حالات کی اشاعت میں بیش قدر خدمات انجام دیں"۔(۱)

مولانا انوار الحق حقی مرحوم ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی زمانہ میں علمی مشاغل تھے، اور شیخ محدث کی کتابوں کو جمع کیا تھا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد زندگی بدل گئی، اور سرکاری ملازمت میرٹھ میں کر لی، شیخ محدث کے مکتوبات کو انہوں نے شائع کیا تھا، شاہ کلیم اللہ دہلوی کے حالات پر ایک مختصر رسالہ بھی لکھا، مولانا برکت علی حقی مرحوم دہلوی نے شیخ محدث کے حالات میں "مرأة الحقائق" تصنیف کی۔(۲)

چودھویں صدی ہجری میں خانوادۂ حقی کی شخصیت مولوی محمود الحق حقی صاحب کی علمی اور دینی سطح پر سامنے آئی، وہ ایک ماہر قانون داں ہونے کے ساتھ دین کا بڑا ہی درد اور امت کی اصلاح کی بڑی فکر اور انسانیت کی خدمت کا حوصلہ وجذبہ رکھتے تھے، اور ادائے حقوق میں بڑے ممتاز واقع ہوئے تھے، ان کا تعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا، ان کے کئی صاحبزادے تھے جن میں بعض نے عصری تعلیم میں اچھی مہارت پیدا کی، اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے علم دین کی اشاعت وترویج، سنت نبوی کی خدمت اور فروغ میں نمایاں مقام پیدا کیا، اور اس میں اپنی ایک شناخت بنائی، ان کے آباء واجداد قرآن وحدیث کی جو خدمت کرتے آئے تھے، انہوں نے اس ورثہ کی پوری قدردانی فرمائی اور اس کو عمل میں لاکر دوسروں کی زندگیوں میں عمل میں لانے کی ایک شاندار اور کامیاب سعی کی، یہاں تک کہ حدیث وسنت اور دین وشریعت کے خادموں کے اس خاندان عالی مرتبت کے اس چشم وچراغ اور گل سرسبد کو امت نے "محی السنۃ" کا خطاب دیا۔

---

(۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، صفحہ:۲۶۴۔

(۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، صفحہ:۲۶۴۔

مصنف حیات شیخ عبدالحق محدث نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں صفحہ ۲۵۵ میں حضرت شیخ عبدالحق کی اولاد ذکور کا ایک چارٹ دیا ہے جو حسب ذیل ہے:
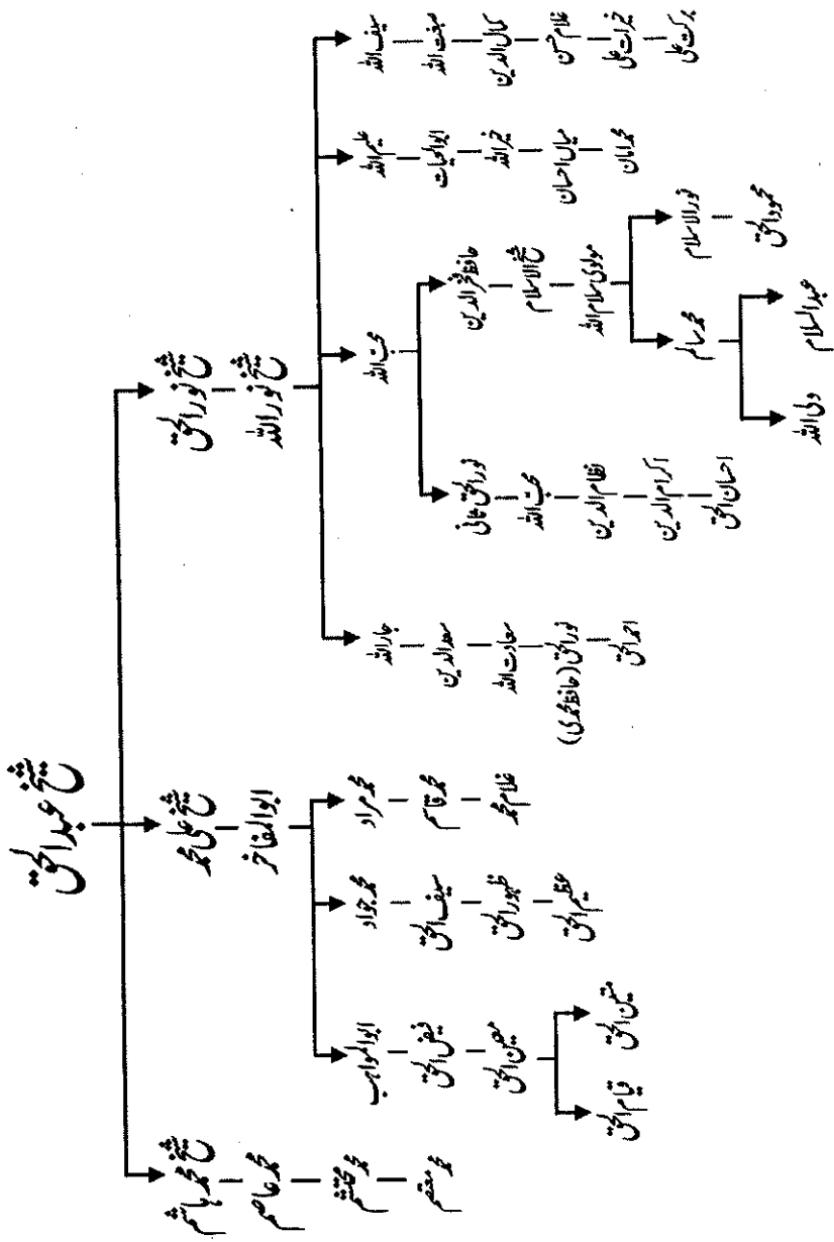
مولوی محمود الحق حقی

والد ماجد حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی

''مولوی محمود الحق حقی میرٹھ میں پیدا ہوئے، ایم، اے، اوکالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکالت کا آغاز کیا اور جلد ہی ضلع کے نامور اور مشہور وکلاء میں آپ کا شمار ہونے لگا، وکالت کا کام اس قدر چل نکلا کہ تین چار کلرک کام کرتے تھے، موکلوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا، اس تمام مصروفیت کے باوجود آپ دینی اور فلاحی کاموں میں پیش پیش ہوتے تھے، ہردوئی میں ''انجمن اسلامیہ'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جس کے مقاصد میں مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم اور یتیموں اور بیواؤں کی امداد شامل تھی، اپنے ضلع میں کوشش کرکے بہت سے دینی مدارس اور اسکول قائم کیے اسی لئے ہردوئی کے ''سرسید'' کہلاتے تھے۔ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے اعزاء، اقرباء، علماء، یتیموں اور بیواؤں پر صرف کرتے تھے اور کسی کو معلوم نہیں ہونے دیتے تھے، ہر شخص کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے اپنا گرویدہ بنالیتے، نہ تو کسی کی غیبت کرتے اور نہ ہی کسی سے سخت کلام کرتے حتی کہ جن لوگوں نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ضرورت کے وقت ان کی بھی مدد کرنے سے عذر نہ کرتے۔

ایک زمانے میں آپ نے صبح کی نماز کے وقت لوگوں کو جگانے کی تحریک شروع کی، طالب علمی کے زمانہ میں بھی نماز کا خاص خیال رکھتے۔ بنارس میں طالب علمی کے دوران یہ مشہور ہوگیا کہ اگر آپ کسی مریض پر دم کردیں تو اسے صحت ہوجاتی ہے۔ اس شہرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے باہر دوطرفہ قطار لگا کر کافی لوگ جمع ہوجاتے تھے اور آپ لوگوں پر پھونکتے ہوئے باہر نکلتے، شفا کی اس تاثیر کی وجہ سے ان کا لقب ''حکیم جی'' پڑ گیا تھا بعد میں ایک بزرگ کے کہنے سے

پھونکنا بند کر دیا۔

حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے، اپنی اولاد میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے جس کی وجہ سے ہر ایک اپنے کو آپ سے نزدیک ترین سمجھتا تھا، طبیعت میں خلوص اور مروت بے انتہا تھی، دوستوں کا خاص خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی خاطر اپنے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ زہد وتقویٰ روزمرہ کی زندگی کا جزء تھا، زندگی بہت ہی سادہ طرز پر گزارتے، ایک مرتبہ گھر میں گفتگو ہوئی کہ لوگ کس طرح بظاہر قلیل آمدنی کے، عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس پر حساب لگا کر کہنے لگے کہ میری اپنی ذات پر دو روپیہ یومیہ خرچہ ہے، مجھے خدا اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے پھر میں دوسروں کی خاطر اپنی عاقبت کیوں خراب کروں۔

آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہ سے بے حد عشق تھا، آپ سے برابر خط وکتابت جاری رہتی، جوں ہی فرصت ملتی فوراً حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون پہنچ جاتے، حضرت قدس سرہ کے ملفوظات کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے۔ آپ کی بیوی اپنے لڑکے مولانا ابرار الحق حقی صاحب کی شادی اپنے خاندان میں کرنا چاہتی تھیں مگر جب آپ کو حضرت قدس سرہ کی مرضی ومنشا یہ معلوم ہوئی کہ آپ ان کی شادی ڈاکٹر احمد علی شاہ کی صاحبزادی سے کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے خاندان والوں کی مرضی ومنشا کے خلاف حضرت حکیم الامت کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے وہیں شادی کردی، حضرت حکیم الامت قدس سرہ بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔

آپ معاملات کی صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا کہ ''لوگوں نے تو معاملات کو دین سے الگ ہی سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ علماء تقریریں کرتے ہیں، وعظ کرتے ہیں، لوگوں کو دین کی تعلیم کرتے ہیں مگر کہیں معاملات کا ذکر ہی نہیں آتا، میں ایک حکایت سناتا ہوں اس کو بطور فخر یہ نہ سمجھا جائے، منشی محمود الحق ہردوئی سے آئے کہنے لگے، میں آج کل تصانیف دیکھتا ہوں، ان میں نماز روزے کے

تو مسائل ہیں مگر معاملات کی صفائی کا ذکر نہیں، غور کرنے سے اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ جن کے معاملات خود صاف ہوں وہ دوسروں کو بھی تعلیم کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں، آج کل کے لوگ جو دوسروں کو اس کی تعلیم نہیں کرتے تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ان کے معاملات بھی صاف نہیں اور آپ جو دوسروں کو اس کی سخت ہدایت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے معاملات بالکل صاف ہیں، حضرت حکیم الامت نے آپ کو مجازین صحبت کے زمرے میں داخل کیا تھا۔

۱۹۴۶ء میں آپ کا انتقال ہو گیا'' (۱)

پسماندگان میں پانچ صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی تھیں، صاحبزادگان میں ایک نام محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا ہے، جن سے مولوی محمود الحق صاحب آخر تک سب سے زیادہ خوش رہے۔ وہ شروع سے ہی بڑے اطاعت شعار وسعادت مند فرزند تھے والد صاحب کے مزاج شناس اور خدمت گزار تھے، دیگر صاحبزادگان نے دنیوی تعلیم حاصل کی جس کا اثر ان لوگوں کی طبیعت ومزاج پر پڑا، لیکن ذہین بھی تھے ہر ایک نے ترقی کی، اور اپنا مقام بنایا ان سب کے باوجود آج ان کی پہچان اپنے انہی بھائی سے ہے جنھوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور اس میں امتیاز پیدا کیا، مولانا حکیم محمد اختر صاحب کراچوی کہتے ہیں: ''چار بیٹے انگریزی داں ہیں، اور بڑے پروفیسر، ایڈوکیٹ وغیرہ لیکن حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی عزت سے ان کو عزت مل رہی ہے''۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو بزم اشرف کے چراغ از پروفیسر سعید احمد، صفحہ ۲۴۰-۲۴۳، مصباح اکیڈمی جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(۱) ملاحظہ ہو رسالہ قرب الٰہی کا قریب ترین راستہ، از مولانا حکیم محمد اختر صاحب۔

باب سوم

سوانحی نقوش

ولادت باسعادت اور گھریلو تربیت

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی پس منظر پشتینی طور پر خدمت علم دین واشاعت حدیث وسنت رہا ہے، یہ خاندان بخارا کا خاندان تھا جو ہندوستان میں دہلی میں آباد ہوا اور اس کے بعض افراد کچھ اسباب کی بنا پر رامپور اور میرٹھ میں بھی رہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولوی محمود الحق حقی صاحبؒ ہردوئی آکر اقامت پذیر ہوئے، یہیں محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب پیدا ہوئے، بقول حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان میں بچپن ہی سے فطری آثار کمال، صالحیت اور شائستگی کے جوہر نمایاں تھے۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی لکھتے ہیں:

''حضرت والا کی ولادت باسعادت ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۰ ردسمبر ۱۹۲۰ء بمقام ہردوئی، ایک دینی گھرانے میں ہوئی، آپ کا نام ''ابرار الحق'' رکھا گیا، آپ کے والد محترم کا نام نامی ''محمود الحق'' تھا، جو حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دست گرفتہ تھے، حالانکہ پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے، لیکن تھانہ بھون کی حاضری نے ایسا اثر دکھایا کہ بس وہیں کے ہو کر رہ گئے، اور ماشاء اللہ آپ کے تدین وتقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے بارگاہ اشرفی سے آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا گیا، اس طرح پدر وپسر دونوں ہی ایک شیخ سے اس شرف سے مشرف ہونے والے بن گئے''۔(۱)

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

''ان کے والد محمود الحق حقی صاحب نے ایم.اے. او کالج علی گڑھ سے تعلیم پائی تھی، ہردوئی میں کامیاب وکیل تھے، باوجود اس کے مذہبی اور ملی جذبات سے ہمیشہ سرشار

---

(۱) امت کی عظیم المرتبت شخصیت، صفحہ: ۵

رہے، دینی اور تعلیمی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، عوامی فلاح و بہبود کے لئے ہردوئی میں ایک تعلیمی ادارہ ''انجمن اسلامیہ'' قائم کیا، ان کی تعلیمی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ''ہردوئی کے سرسید'' کہلاتے تھے، انھیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے والہانہ تعلق تھا، وہ ہردوئی میں انہیں کے یہاں قیام فرماتے، اور اس علاقے کے لوگ انہیں کے گھر پر حضرت تھانویؒ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے'' (۱)

مصنف ''حیات ابرار'' نے والدہ صاحبہ مرحومہ کے متعلق بھی بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں اوران کے تدین، اخلاق حسنہ، رقت قلبی، غرباء پروری کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ (ص:۱۰۷)

تعلیم

آپ شروع سے خالص دینی تعلیم میں لگائے گئے، صاحب فراست والد ماجد نے بدو شعور سے آپ کا اس کے لئے انتخاب کرلیا، کچھ تو تعلیم آپ کے گھر کی رہی، ماں کی گود میں بچہ کا پہلا مدرسہ و مکتب ہوتا ہے، اور عموماً اسی پر مستقبل کا انحصار ہوا کرتا ہے، تعلیم کا اگلا مرحلہ حفظ قرآن کا تھا، پھر ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم، یہ مراحل ہردوئی میں ہی طے ہوگئے، پھر آپ سہارن پور بھیج دیئے گئے۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی لکھتے ہیں:

''چونکہ حکیم الامت سے تعلق کی بنا پر گھریلو ماحول اچھا خاصا دینی تھا، اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم گھر کے اس دینی ماحول میں ہوئی، اور دینی تعلیم ہی کو ترجیح دی گئی، اور یہ قرآن کریم کا اعجاز ہی ہے کہ صرف آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں آپ نے قرآن کریم کی اس بے بہا عظیم دولت کو اپنے سینے میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل کرلیا، اور پھر اس کتاب مقدس کی مرتے دم تک ایسی خدمات انجام دیں، جو ایک ناقابل فراموش حقیقت بن کر علماء و مرشدین کے لئے ایک اسوۂ حسنہ بن گئیں، ابتدائی تعلیم سے

---

(۱) ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء

فراغت کے بعد آپ نے ہندوستان کی مایۂ نازعلمی و دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارن پور کا قصد کیا"۔(۱)

مظاہر علوم کا دور طالب علمی اور طلبہ میں تفوق و امتیاز

حضرت محی السنہ رحمہ اللہ نے جس محنت وتوجہ اور لگن سے تعلیمی مراحل پورے فرمائے، اس کے لئے مظاہر علوم کا ریکارڈ خود شاہد عدل ہے، حالانکہ دورۂ حدیث ان کی علالت کی وجہ سے ایک سالہ کے بجائے ان کے لئے دو سالہ ثابت ہوا مگر وہ اس کے سال اول کے ششماہی کے امتحان میں سب سے اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے انعام وصول کر چکے تھے، ان کے دورۂ حدیث کے پہلے سال کے رفقاء میں دنیائے اسلام کی دو عظیم و بلند قامت شخصیتیں بھی تھیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی، درمیان سال سے چند ماہ کا تعلیمی انقطاع ہوا مگر اگلے سال سالانہ امتحان میں جب کہ ان کے رفقائے درس دوسرے افراد تھے پھر سب سے امتیازی نمبرات حاصل کر کے ایک بار پھر مدرسہ کی جانب سے انعام وصول کیا۔

مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری نے آپ کے دورۂ حدیث (۱۳۵۵ھ) کے امتحان ششماہی کے متعلق لکھا ہے کہ:

"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ (۲) نے سالہائے ماضی کی طرح امسال بھی طلبائے دورۂ حدیث کے لئے مخصوص نمبرات معین فرما کر بذل المجہود اور الکوکب الدری بطور انعام تجویز فرمائیں، آپ کی جانب سے اس موقع پر اعلان میں یہ کہا گیا تھا کہ"

---

(۱) امت کی عظیم المرتبت شخصیت، صفحہ: ٦۔

(۲) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور طلبہ کے حوصلہ کو بلند کرنے اور تعلیم میں انہماک بڑھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جس کے بہتر نتائج سامنے آتے رہے۔

''جو شخص ابوداؤد شریف میں سب سے زیادہ نمبرات بلا شرکت غیرے حاصل کرے گا اس کو بذل المجھود بادامی انعام بندہ کی طرف سے موعود ہے اور بشرکت غیرے جتنے بھی شرکاء ہوں سب کو ایک ایک کوکب الدری موعود ہے''۔ (زکریا ۲۵ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ)

چنانچہ اس اعلان کے بموجب درج ذیل چار حضرات ''کوکب کامل'' کے لئے مستحق وحق دار قرار پائے۔

☆ مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی

☆ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی

☆ مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی

☆ مولانا منظور احمد صاحب بہاول پوری

نیز امتحان ششماہی میں بذل المجھود کامل صرف مولانا ابرار الحق صاحب زادمجدہ کو دی گئی کہ ان کو (حاصل شدہ نمبرات) تمام جماعت دورہ میں سب سے زائد تھے''۔(۱)

ان کی یہ تعلیمی محنت، مطالعہ کا انہماک ان کے ذوق نفاست ونظافت پر غالب نہ آسکا تھا، اس کا انھیں الگ خیال رہتا تھا، اور اس بات کا دھیان انھیں مستقل رہتا تھا، ایک توجہ دوسرے کے لئے مانع نہیں بنتی تھی، ان کی بیدار مغزی، صلاحی مزاج، اسراف سے احتراز کی فکر اور بے خیالی سے حفاظت کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ انہوں نے مظاہر علوم کے زمانۂ طالب علمی میں جو لالٹین اپنے کمرہ کے لئے ذاتی طور پر اختیار کی اس کی ایسی دیکھ ریکھ کی کہ تعلیم سے فراغت پالی مگر لالٹین اپنی اسی چمنی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ آئی تھی جوں کی توں رہی۔

صحت کی اپنی جگہ فکر رکھتے، اس کے لئے ان کو مشقت بھی اٹھانی پڑتی تھی کہ وہ پرہیزی کھانا خود تیار کرتے مثلاً مدرسہ میں کھانے میں بڑے کا گوشت ملا کرتا تھا ان کو بکرے کا

---

(۱) حیات شیخ مؤلفہ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری، جلد اول، صفحہ: ۳۴۲، مطبوعہ مکتبہ یادگار شیخ اردو بازار، سہارن پور

گوشت راس آتا تھا اس لئے وہ اپنے طور پر اس کا اہتمام کرتے، اور خود اس کو تیار کرتے، دوسروں کو زحمت بھی نہ دیتے۔

حضرت تھانویؒ سے نسبت وتعلق کا آغاز

اس فکر وخیال اور مشغولیت کے ساتھ تعلق مع اللہ کو استوار کرنے کی فکر برابر دامن گیر رہتی، ان کے والد جناب محمود الحق حقی صاحب مرحوم جو ایک اچھے قانون داں اور وکیل تھے حضرت حکیم الامت سے نہ صرف بیعت تھے بلکہ ان کے مجاز صحبت بھی تھے، اس لئے حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے لئے انتخاب مرشد میں پس وپیش نہیں کرنا تھا، طبیعت فطری طور پر انہی سے مانوس تھی، مزاج میں انہی کے ساتھ یگانگت تھی، حضرت حکیم الامت کے لئے بھی وہ اجنبی نہیں تھے، اس لئے ان کے تعلیمی مرحلہ کے ساتھ سلوک واحسان کا مرحلہ بھی چلتا رہا، وہ اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ اس کے لئے وقت نکال ہی لیتے تھے، ہفتہ کی چھٹی ہو، یا بعض درمیانی چھٹیاں یا سالانہ طویل تعطیل ہوتی بغیر کسی تردد کے ان کی منزل خانقاہ تھانہ بھون ہوتی۔ اس طرح انہوں نے تعلیم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ سلوک کی بھی تکمیل کرلی، ان کی اس صفت وامتیاز کو ان کے ایک استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھانپ لیا تھا اور بعد میں کسی موقع پر دوران درس ان کے متعلق یہ بات فرمائی کہ:

''مولانا ابرارالحق صاحب زمانۂ طالب علمی ہی سے صاحب نسبت ہو گئے تھے''۔(۱)

دوران طالب علمی میں آپ کے شب وروز

ان کی مَدرسی زندگی" خیر الامور أوسطها" کا مصداق تھی، مدرسہ میں تعلیمی قیام کے روز کے معمولات میں رات کو صحیح وقت پر سونا، آخری پہر میں جاگنا، تہجد، دعا ومناجات میں مشغول ہونا، باجماعت نمازوں کو ادا کرنا، باوضو کتابوں کا مطالعہ کرنا اور سبق لینا، سنتوں کا

---

(۱) ملاحظہ ہو آداب المتعلمین از مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اہتمام، برائیوں سے چھوٹی ہوں یا بڑی اجتناب، اساتذہ کی خدمت واحترام، اوران سب کے ساتھ ڈائری لکھنے کا اہتمام کہ ذاتی زندگی میں وہ محاسب کا کام دے تاکہ زندگی اسراف یا تقصیر سے محفوظ رہے۔

کم عمری ہی سے روزنامچہ لکھنے کا معمول بنالیا تھا، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا ایک معمول استاذ کی خدمت کا بھی تھا اور بعض اساتذہ سے بعض کتابیں الگ پڑھنے کا بھی معمول بنایا تھا، خصوصی استفادہ کے لئے حضرت مولانا سعداللہ صاحب ناظم مدرسہ سے الگ وقت بھی لیا تھا اوران کی خدمت کے لئے حاضر باش بھی رہا کرتے تھے، جیسے وضو کے لئے پانی رکھنا وغیرہ۔ دوسرے خصوصی استاذ حضرت مولانا مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہی تھے، جن سے وہ الگ اوقات میں جاکر مزید تعلیم حاصل کرتے، ان دونوں استادوں کی انھیں خصوصی شفقتیں حاصل ہوئیں، ایک موقع پر حضرت مولانا مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہی نے یہ پوچھے جانے پر کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے آپ سے کیا کتابیں پڑھیں، فرمایا:

> ''الفوزالکبیر جواس وقت مستقل مطبوعہ نہ تھی، بلکہ منہاج العابدین کے حاشیہ پرتھی، اس کا اردو میں ترجمہ بھی نہ ہوا تھا، مظاہرعلوم کے کتب خانہ میں صرف ایک ہی نسخہ تھا''لمعات''، ''سطعات''، ''ہوامع''، ''شمس بازغہ''، ''قاضی مبارک'' وغیرہ سب خارج میں پڑھیں، نصاب کی کتب میں قدوری پڑھی، وہ بھی خارج میں، مولانا نے مختصرالمعانی پڑھنے کو مجھ سے کہا تھا، میں نے فن ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سے پڑھنے کا مشورہ دیا، انہوں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت ناظم صاحب نے منظور فرمالیا، اورسبق کا وقت تہجد کا طے فرمایا، مولانا ابرارالحق صاحب قدس سرہ نے مجھ سے آکر بتلایا، میں نے کہا منظور کرلو، اوریہ شرط کرلو کہ اٹھانا آپ کے ذمہ ہوگا، اورفن ثالث مجھ سے پڑھ لو، چنانچہ میں نے فن ثالث پڑھایا، چونکہ وہ علم بدیع میں ہے، مثال میں عربی اشعار ہیں، میں ان کے ساتھ فارسی، اردواشعار بھی کثرت سے سناتا تھا''۔(۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو''حیات ابرار''ازمفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی، صفحہ ۱۱۴-۱۱۵۔

اس طرح اساتذہ میں ان دونوں استادوں کی خصوصی توجہات آپ کو ملیں، اور اس کی برکت سے آپ کے وقت کا بہت صحیح استعمال بھی ہوا۔

تعلیمی زندگی میں دعوتی فکر

تعلیمی زندگی میں دعوتی فکر ایک ایسا عنوان ہے جو طالب علم کی فکری بلندی، عالی حوصلگی، اور فکر امت اور اس درد و سوز کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو انسانیت کو صحیح ڈگر پر لانے کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے، دعوت مقاصد بعثت کا اہم ترین شعبہ ہے، علوم نبوت کے حصول میں لگ کر وراثت نبوی کا حامل و امین بننے کی راہ میں لگنے کے بعد اس سے پہلو تہی سچے طالب علم کے لئے ناممکن سی ہوتی ہے، اپنی تعلیمی یکسوئی کی وجہ سے اس کے لئے مستقل وقت نکالنا، تعلیمی اوقات سے فرصت ملنے پر ہی ممکن ہوتا ہے، مولانا وہ وقت یعنی چھٹیوں کے اوقات تعلق مع اللہ کی استواری کے لئے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں لگانا ترجیح دیتے تھے، اہل تعلق میں تبلیغ دین کے فریضہ کو انجام دینے سے گریز بھی نہ کرتے، جہاں ضرورت محسوس کرتے وہاں غفلت نہ برتتے۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک خاص اور مفید نہج پر دعوت و تبلیغ کا عمومی کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے بھی شروع کر دیا تھا، ہمارے علم میں یہ بات نہیں آسکی کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے زمانۂ طالب علمی میں اس میں وقت لگایا، یا ان کو اس کا موقع ملا نہ مل سکا، البتہ جب آپ کا مظاہر علوم میں آخری تعلیمی سال تھا تو اس زمانہ میں ایک موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اپنے تلامذہ کو لے کر حضرت مولانا محمد الیاس کے ساتھ کاندھلہ اور اس کے نواح میں ایک ہفتہ کے لئے گئے، ''حیات شیخ'' میں مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری لکھتے ہیں:

> ''امسال (۱۳۵۶ھ-۱۹۳۷ء) حضرت نے بہ معیت مولانا محمد الیاس صاحب تیرہ تا بیس جمادی الثانی کاندھلہ اور اس کے گرد و نواح کے دیہات و قصبات کے دعوتی دورے فرمائے، اور ہر جگہ تبلیغی نظام قائم فرمایا، آپ کے تلامذہ اور اہل ارادت کی

ایک بڑی جماعت اس سفر میں ساتھ تھی‘‘(۱)

تعلیمی مراحل پر ایک اجمالی نظر

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب حقی کی تعلیمی مراحل کے متعلق مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری اپنی کتاب ’’علمائے مظاہر علوم اوران کی تصنیفی خدمات‘‘ میں رقم طراز ہیں:

’’آپ نے ابتدائی تعلیم ہردوئی میں حضرت مولانا انوار احمد صاحب انبیٹھوی مظاہری سے حاصل کی، ۱۳۵۰ھ میں مظاہر علوم میں آپ کی آمد ہوئی اور کافیہ، شرح مائۃ عامل، نحومیر، دستور المبتدی، کبریٰ، مفید الطالبین، تیسیر المنطق، قال اقول، ہدایۃ النحو، زنجانی، فصول اکبری، ایساغوجی، پنج گنج، سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔

ابتدائی کتب میں آپ کے اساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی، مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی، مولانا نور محمد صاحب، مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت مولانا محمد اسعداللہ صاحب، مولانا الحاج قاری سعید احمد صاحب، حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کشمیری وغیرہ تھے، مظاہر علوم سے آپ کی فراغت ۱۳۵۶ھ میں ہوئی۔

بخاری شریف جلد اول اور ابوداؤد میں حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی) بخاری جلد ثانی میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، مسلم شریف، نسائی شریف میں حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب، ترمذی وطحاوی میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری آپ کے اساتذہ ہیں۔

آپ نے اپنی علالت کی وجہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل دوسال میں کی دورۂ حدیث میں پوری جماعت میں آپ اوّل نمبرات سے کامیاب ہوئے جس کی بنا پر انہاء السکن، احیاء السنن، استدراک الحسن، اعلاء الحسن جلد سوم اشرف السوانح، تشکیل سندات البخاری، مغلظات مرزا، ایجاز القواعد، سامان عاجز، مدرسہ کی جانب سے

---

(۱) حیات شیخ مؤلفہ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری، جلد دوم، صفحہ:۱۴۰۔

مولانا موصوف کو انعام میں دی گئیں۔

۱۳۵۷ھ میں آپ نے یہ کتابیں پڑھیں، بیضاوی شریف، رسم المفتی، ترمذی شریف، شمائل ترمذی، مدارک، سراجی۔

۱۳۵۸ھ میں یہ کتابیں تھیں، تصریح، اقلیدس، عروض المفتاح، حماسہ، خلاصۃ الحساب، شمس بازغۃ، مسلم الثبوت، متنبی، صدرا، توضیح وتلویح، شرح چغمینی، سبع شداد، اس مرتبہ سالانہ امتحان میں آپ اول نمبرات سے کامیاب ہوئے، مجموعہ نمبرات ۲۲۱ تھے، مدرسہ کی جانب سے آپ کو پانچ روپے نقد انعام کے ساتھ چند قیمتی کتابیں بھی دی گئیں''۔(۱)

عارف باللہ عالم ربانی حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحب باندوی اپنی مشہور کتاب ''آداب المتعلمین''میں لکھتے ہیں کہ:

''سیدی ومولائی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم نے ابوداؤد شریف کے سبق میں فرمایا کہ طالب علم اگر طالب علمی کے زمانہ میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔اس کے بعد فرمایا کہ مولانا ابرارالحق صاحب کو اللہ پاک نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں یہ دولت عطا فرمائی تھی۔

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی نسبت اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے کہ'' آج اصلاح امت کا اللہ پاک ان سے بہت بڑا کام لے رہے ہیں جس کا جی چاہے ہردوئی جاکر دیکھ لے''۔(۲)

عملی وتدریسی زندگی

عملی وتدریسی زندگی کا آغاز اسی جگہ سے ہوا جہاں علمی ومطالعاتی زندگی نے منزلیں طے کی تھیں چنانچہ جیسے فراغت ہوئی ویسے ہی بحیثیت استاد (معین مدرس) کے مظاہر علوم میں

(۱) علمائے مظاہر علوم اوران کی تصنیفی خدمات جلد اول، صفحہ:۴۸۷-۴۸۸، طبع اول۔
(۲) آداب المتعلمین، صفحہ:۲۵۔

تقرری ہوگئی، مگر زندگی گزارنے کی ڈور مرشد تھانوی کو دے چکے تھے، اس لئے اپنی خواہشات پر چلنا محال تھا، چند مہینے گزرے، مرشد تھانوی نے اس مرکزی و آفاقی شہرت کی حامل درسگاہ سے کسی اور طرف تعلیمی افادہ کے لئے رخت سفر باندھنے کو کہا، وہ بغیر چوں چرا کے ارشاد مرشد پر عمل پیرا ہو کر اُدھر سے معذرت خواہ ہوئے اور اِدھر چل پڑے، یہ وہ جگہ تھی جہاں مرشد خود تعلیم وافادہ کا کام ایک مدت گزار کر انجام دے چکے تھے، اب یہاں مسترشد کی باری تھی، یہ کانپور کا مشہور تعلیمی ادارہ ''جامع العلوم'' پٹکا پور ہے۔ یہ وہ نامور درسگاہ ہے جہاں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا عبدالحی حسنی صاحب رائے بریلوی سابق ناظم ندوۃ العلماء نے ان سے کچھ علمی استفادہ کیا تھا، اور بھی نامور شخصیتوں نے یہاں تعلیم حاصل کی، جن میں ایک نام حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کا بھی ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی نے مدرسہ کے مہتمم صاحب کے نام ایک مکتوب بھی تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے ان کی صلاحیت وصلاح اور اچھی تدریسی طاقت سے متعلق لکھتے ہوئے کہا تھا کہ:

''طلبہ کو ان کا طریقہ پسند ہے۔ اور تقویٰ، طہارت، علم، عمل میں اپنے ہم عصروں اور ہمسروں میں بہت ممتاز ہیں اور اس تحریر کی تائید کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ تحریر فرمایا تھا کہ ''احقر اشرف علی بھی تحریر بالا میں لفظ بہ لفظ متفق ہے''۔(۱)

جامع العلوم میں حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ نے تھوڑی ہی مدت پڑھایا تھا کہ مرشد نے دوسری طرف رُخ کرنے کو کہا، ڈیڑھ یا دو سال کی اس تعلیمی خدمت کے بعد فتح پور کے مدرسہ اسلامیہ میں پڑھانے کے لئے جانا طے کیا گیا، تعمیل ارشاد میں آپ نے وہاں کی راہ لی۔

مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے زیادہ عرصہ نہیں پڑھایا، مگر جتنا پڑھایا یکسوئی اور توجہ سے پڑھایا بعد میں اسی مدرسہ میں حضرت مولانا قاری سید صدیق

---

(۱) ملاحظہ ہو ''حیات ابرار'' صفحہ: ۱۲۶۔

احمد صاحب باندوی تدریسی خدمت انجام دینے کے لئے آئے، مگر وہ بھی زیادہ مدت نہیں رہے اور وطن وعلاقہ کی ضروریات وتقاضوں کی وجہ سے وہاں واپسی کو ترجیح دی۔ (۱)

قناعت

توکل وقناعت کی دولت سے وہ مالا مال رہے، ہدیہ لینے میں بھی ہمیشہ بڑے محتاط رہے ، یہاں قناعت کے سلسلہ کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جسے ایک موقع پر انہوں نے آج کے خالص مادی دور میں زندگی بسر کرنے والوں اور آج کے ان سخت حالات میں جس میں مغربی تہذیب وتمدن کی بالادستی چارو ناچار لوگ قبول کرنے لگ گئے ہیں، عبرت وسبق کے لئے خود ان کی ہی زبان سے اللہ نے کہلوادیا، ان کی زبانی ہی سنئے جو ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی نے ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کراچی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

''جب میں دورۂ حدیث پڑھ کر سہارن پور سے فارغ ہوا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے کے مطابق جامع العلوم کانپور میں ۲۵ روپے ماہانہ تنخواہ پر تقرر ہوگیا۔ اس زمانہ میں میرے ایک عزیز گونڈہ میں بیمار تھے، حضرت والد صاحب کے ارشاد کے مطابق ان سے ملنے اور ان کی عیادت کے لئے گونڈہ جانا ہوا، میرے جو عزیز بیمار تھے ان کے ایک عزیز جو ڈاکٹر تھے وہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، عمر میں مجھ سے بڑے تھے، بے تکلف آرام کرسی پر لیٹے ہوئے تھے، مجھ سے بات چیت کرنے لگے، سلسلۂ گفتگو میں انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں اور کیا تنخواہ ملتی ہے؟ میں نے کہا کہ کانپور کے ایک مدرسہ میں درس وتدریس کا کام کرتا ہوں اور ۲۵/روپے ماہانہ ملتے ہیں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اتنے میں کیا ہوتا ہوگا؟ یہ بہت ہی کم ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی اگر کوئی یہ خیال رکھتا ہو مجھے ۱۵/روپے ماہانہ مل

---

(۱) مدرسہ اسلامیہ فتحپور ہنسوہ کے بانی مولانا سید ظہور الاسلام خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تھے، مولانا عبدالوحید صاحب فتح پوری تلمیذ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس مدرسہ سے تاحیات وابستگی رکھی اور اس کا نظم وانصرام ان کے سپرد رہا۔

جائیں تو میں گذر کرلوں گا، پھر اس کو ۲۵ روپیہ مل جائیں تو فرمایئے اس کو کس قدر راحت ومسرت ہوگی؟ اتنا سنتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور تعجب کر کے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی جس سے مجھ کو بہت نفع ہوا اور بہت زیادہ سکون حاصل ہوا، میرا تو حال یہ ہے کہ ماہانہ تین سو روپیہ کماتا ہوں مگر فکر لگی رہتی ہے کہ مہینہ میں پانچ سو روپیہ ملیں، اس لئے پریشان ہی پریشان رہتا ہوں، سکون حاصل نہیں ہوتا، اور آپ کو اتنی مقدار میں کم خواہش کی وجہ سے سکون حاصل ہے''۔(۱)

مرشد تھانوی کی ہمراہی

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری تو برسوں پوری پابندی کے ساتھ ہوتی رہی، ایک دو دن قیام اور ہفتوں مہینوں قیام کی بھی سعادت ملی، اور سفر میں بھی ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، جب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بغرض علاج لکھنؤ سفر طے پایا اور اس کے لئے ۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ر اگست ۱۹۳۸ء کو تھانہ بھون سے سہارن پور اور سہارن پور سے اگلے روز لکھنؤ روانگی کا پروگرام طے پایا، تو تھانہ بھون سے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب بھی ساتھ ہولیے، اس سفر میں حضرت حکیم الامت کے ساتھ ان کے اہل خانہ، خدام اور بعض خلفاء بھی تھے جن میں خصوصیت سے مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی اور مولانا عبدالباری صاحب ندوی قابل ذکر ہیں۔ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے متعلق جناب وصل بلگرامی لکھتے ہیں:

''تھانہ بھون میں جناب مولوی محمود الحق صاحب حقی بی اے ایڈوکیٹ کے صاحبزادے حافظ مولوی ابرارالحق سلمہٗ بھی حاضر تھے، وہ بھی حضرت والا سے اجازت لے کر ہمراہیوں میں شامل ہوگئے''۔(۲)

---

(۱) ضرب مومن کا حوالہ ۳ر جون ۲۰۰۵ء کا ہے (مطابق ۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

(۲) سفرنامہ لاہور ولکھنؤ مع ملفوظات حکیم الامت، صفحہ: ۱۰۲۔

اس سفر میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات قلمبند کرنے کا اہتمام بھی فرمایا، ان کے ضبط تحریر میں لائے گئے ملفوظات کا عنوان حضرت حکیم الامت نے ''نزول الابرار'' تجویز کیا، مگر جب یہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے نظر ثانی کے بعد پیش کئے گئے تو حضرت تھانوی نے نام تبدیل کر کے اسعد الابرار کر دیا۔

حضرت تھانوی ایک دن اپنی قیام گاہ سے خود اپنے تقاضے سے مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی (اس وقت کے ناظم ندوۃ العلماء) کے یہاں تشریف لے گئے، اور پھر اپنے مسترشد و خلیفہ مولانا عبد الباری ندوی کی درخواست پر ان کے مکان بھی تشریف لے گئے، اور وہاں رات بھی گزاری، دونوں جگہوں پر حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ساتھ رہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھنؤ کے اس قیام سے خاطر خواہ دینی واصلاحی وروحانی استفادہ کیا۔ (۱)

مرشد تھانویؒ کی جانب سے اجازت بیعت

گو مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا فتح پور کا قیام مختصر ہی رہا مگر اسی زمانہ میں ان کو اپنے مرشد کی سند اعتماد حاصل ہوئی اور وہ ان کے مجاز بیعت وارشاد قرار پائے، حضرت تھانوی کے یہاں اجازت بیعت وارشاد میں قید وشرط ہوا کرتی تھی، ان کے مجازین میں ایک تعداد ان خلفاء کی ہے جنہیں بیعت لینے کی اجازت نہیں تھی، مگر تربیت وارشاد کی اجازت تھی، یہ دوسری قسم مجاز صحبت کہلاتی تھی، حضرت تھانویؒ نے آپ کو بلا قید وشرط مجاز کیا، مصنف ''حیات ابرار'' لکھتے ہیں: ''اصلاح وتربیت اور رجال کار کی تیاری میں حضرت حکیم الامت کو اللہ تعالیٰ نے جو امتیازی شان مرحمت فرمائی تھی وہ محتاج بیان نہیں، حضرت کے آفتاب ضیا پاش سے باقاعدہ طور پر جذب نور کرنے والوں میں شاید سب سے کم عمر حضرت ہردوئی قدس سرہٗ ہی کی ذات تھی ۱۳۶۱ھ میں جب آپ فتح پور مدرسہ میں مقیم تھے بعمر ۲۲ سال حضرت اقدس تھانویؒ کی خلعتِ خلافت سے

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''الاسفار عن برکات بعض الاسفار'' (سفر نامۂ لاہور ولکھنؤ مع ملفوظات حکیم الامت) مرتبہ از سید مقبول حسین وصل بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ۔

سرفراز ہوئے۔

شیخ کے اصولوں کا پاس ولحاظ

مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ نے تعلیم سلوک میں اپنے شیخ ومرشد کے اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھا، یہ اصول تعلیم وتعلم کے دائرہ کے ہوں یا دعوت وتبلیغ سے متعلق ہوں، میزبانی کے ہوں یا مہمانی کے، تربیت واصلاح کے سلسلہ کے ہوں یا جس سلسلہ کے بھی چنانچہ سلوک واحسان میں ایک طریقہ حضرت تھانوی کا یہ بھی تھا کہ وہ اپنے مسترشدین کو اپنے بعض خلفاء کے سپرد کردیتے اور بعض خلفاء کو اپنے قدیم خلفاء کے پاس تکمیل کے لئے بھیج دیا کرتے۔ مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ نے اس بات کو بھی دونوں طرح سے کہ اپنی اصلاح نفس وتکمیل کے لئے بھی اور اپنے مسترشدین کی تربیت وتعلیم کے خاطر بھی ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

بعضوں کی طلب صادق دیکھ کراز خود بیعت بھی فرمالیا کرتے ایسا اگرچہ کم ہوتا مگر اس قسم کے واقعات پیش آتے، ایک واقعہ بنگلور کے ممتاز ہاشم صاحب مرحوم کا ہے، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کی بنگلور تشریف آوری پر وہ پابندی سے نیازمندانہ حاضری دیتے، عصر کی مجلس میں برابر شریک ہوتے، جب حضرت شاہ صاحب کی بنگلور سے روانگی کا وقت آیا تو حضرت نے ممتاز ہاشم صاحب کو بلایا اور ان کو از خود بیعت فرمایا اور خصوصی شفقت وتوجہ فرمائی، جب کہ بہت سے لوگوں نے بیعت ہونے کی کوشش کی تھی مگر حضرت مولاناؒ نے معذرت فرمادی تھی۔ (۱)

دیگر بزرگان دین سے روحانی تعلق

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ سے ان کے بعد اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے رہا، اور ان کے تربیتی وتعلیمی افادات سے حصۂ وافر حاصل کیا، ان حضرات کے

---

(۱) روایت: مولوی سہیل احمد ندوی

علاوہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی (۱) کی خدمت میں حاضری دیتے، اورکسب فیض کرتے، ان حضرات کے دل میں مولانا کی جوقدرومنزلت تھی اس کو وہاں سبھی محسوس کرتے، یہ حضرات مولانا کے بیانات بھی کراتے، یہ بیانات صرف الفاظ کی حد تک نہیں رہتے تھے، ایک تحریک اور مشن اس کے پیچھے ہوتا، جس کی تفصیل آگے آئے گی، حضرت تھانوی کے خلفاء میں ایک نام مولانا عبدالباری ندوی کا بھی ہے جنہیں ''فیلسوف اسلام'' کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے، وہ بھی آپ کی بڑی قدردانی فرماتے اوراپنے متعلقین کو ان سے استفادہ کی ترغیب دیتے اوراپنے بعض صاحبزادوں کو ان کی خدمت میں ہردوئی علمی ودینی استفادہ کے لئے بھیجا، اساتذہ میں انھیں حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب سے خصوصی تعلق تھا، اور مفتی صاحب کو بھی آپ پرناز تھا۔

حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی اُن کے اصلاحی وتربیتی جذبہ وفکر کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات کے بعد مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، ان کی رحلت کے بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب سے پھر حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں مسلسل آمدورفت کا سلسلہ رکھا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی کی خدمت میں آمدورفت کا سلسلہ قائم رکھا''۔(۲)

---

(۱) حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب دونوں ہی حضرات ایک دوسرے کا انتہائی ادب واحترام کرتے تھے، ایک دفعہ مولانا ابرارالحق صاحب نے فرمایا کہ بھائی ہم کو مولانا محمد احمد صاحب کے یہاں کچھ ملتاہے اس لیے ہم آتے ہیں۔ (امت کی عظیم المرتبت شخصیت، صفحہ:۳۶)

(۲) امت کی عظیم المرتبت شخصیت، صفحہ:۳۰، ازمولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے تعلق

حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے وصال کے بعدان کے جن عظیم المرتبت خلفاء سے طویل المدتی اصلاحی تعلق رہاان میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، جن کی خدمت میں وہ جاتے، کئی کئی دن قیام کرتے، آرام وآسائش کی چیزوں کو چھوڑ کر معرفت الٰہیہ کی طلب میں وہاں رہتے۔ پھولپور ضلع اعظم گڑھ میں واقع ہے، تقسیم ملک کے بعد حضرت پھولپوری پاکستان منتقل ہو گئے، مگر یہ رابطہ کمزور نہ پڑا، حضرت پھولپوری بھی آپ کے یہاں تشریف لاتے اور قیام فرماتے۔ حضرت پھولپوری کے علوم ومعارف کو ان کے ہی ایک مسترشد مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ نے دوحصوں میں مرتب کر کے ''معرفت الٰہیہ'' کے نام سے شائع کیا تو اس وقت حضرت پھولپوری ہردوئی میں مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کے یہاں قیام فرماتھے، شائع ہونے کے بعد جب ہردوئی ہی میں یہ کتاب ان کی خدمت میں پیش کی گئی تو انھیں ایسی فرحت ومسرت ہوئی کہ اسی وقت حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کو بلایا اوران کے سامنے دیر تک غلبۂ تشکر میں رہے اور کتاب لے کر رونے لگے(۱)۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری حضرت تھانوی کے اولین مسترشدین وکبار خلفاء میں سے تھے، ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۸ھ میں حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے اور ۱۳۳۲ھ میں خلافت واجازت بیعت سے سرفراز ہوئے اور ۲۱ رربیع الاول ۱۳۸۳ھ کو کراچی میں وفات پائی۔

مولانا ابرارالحق صاحب کو شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ

---

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ معرفت الٰہیہ حصہ اول مرتبہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب کراچوی، استفادہ وافادہ کے تعلق کی اصلاح وتربیت کی تاریخ میں عجیب نظریں ملتی ہیں، اس کی مثال بھی سورج کی طرح ہے جو ایک جگہ ڈوب رہا ہوتا ہے دوسری جگہ نکل رہا ہوتا، حضرت پھولپوری کی روحانیت سے کسب فیض کرنے والی اس شخصیت سے فیض اٹھانے ان کے پوتے ہردوئی پہونچے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے جو مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری کے نام سے معروف ہیں۔

اس مکتوب سے بھی لگایا جاسکتا ہے جوانہوں نے ان کی وفات پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کی خدمت میں تحریر کیا ہے: جو آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر سے نقل کیا جارہا ہے۔

مخدومی حضرت مولانا صاحب زید مجدہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع کی جارہی ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کا ۱۲ر اگست ۱۹۶۳ء کو کراچی میں وصال ہوگیا، اس خبر سے دل ودماغ معطل ہیں۔ آج احقر پھولپور حضرت مرحوم ومغفور کے چھوٹے صاحبزادہ وصاحبزادیوں کے پاس جارہا ہے، آپ سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور ہم سب پسماندگان کے لئے صبر کی توفیق کی درخواست ہے۔

والسلام

ابرارالحق

۲۶ر ربیع الاول ۱۳۸۳ھ، ۱۷ر اگست ۱۹۶۳ء

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے تعلق

''آپ کا حضرت مصلح الامت سے بہت ہی خاص وقوی تعلق تھا، حضرت مصلح الامت بھی آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے، اور آپ کی قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب پہلی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں فتح پور تال نرجا(۱) تشریف لے گئے، تو حضرت

(۱) فتح پور تال نرجا، اعظم گڑھ (مئو) میں واقع ہے، یہی حضرت کا وطن ہے یہیں وہ ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۵ء) میں پیداہوئے۔ بعض حالات کی وجہ سے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی منتقل ہوگئے، اور پھر وہیں مستقل قیام اختیار کرلیا، اب یہیں ان کی خانقاہ ہے، یہیں مدرسہ ہے۔ اور یہیں ان کے خلفاء وافراد خاندان دعوت وتعلیم وتزکیہ کے کام میں مصروف عمل ہیں، اطال اللہ بقاءھ وہ حضرت تھانوی کے ان خلفاء میں سے ایک تھے جن کی طرف حضرت تھانوی کے خلفاء ومسترشدین نے خصوصیت سے رجوع کیا، اور وقت کے ممتاز علماء وقائدین ملت نے بھی نیازمندانہ حاضریاں دے کر معرفت وعشق کی دولت حاصل کرنا چاہی نوراللہ مرقدہ وبرّ مضجعہ۔ ۱۳۸۷ھ کو وفات پائی۔

والا نے چند قدم بڑھ کر آپ کا استقبال فرمایا، اور اپنے خاص گدے پر بٹھلایا، اور آپ کے قیام وطعام کا خاص اہتمام فرمایا جب خاص مجلس میں حضرت نے اپنے کام کے اصول وقواعد بیان کیے، تو حضرت مصلح الامت نے فرمایا اس طرح کام کیا کرتے ہیں۔ پھر گاؤں کے باہری مسجد میں وعظ کے لئے فرمایا تو مولانا المکرّم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یَـا اَیُّهَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـوْا قُـوْا اَنْـفُـسَـکُـمْ وَاَهْـلِـیْـکُـمْ نَـارًا" (سـورۃ التـحـریم، آیت:٦) کی تلاوت کر کے بہت ہی مفید اور مؤثر مضمون بیان فرمایا، پھر حضرت والا الہ آباد بھی متعدد بار تشریف لائے، نیز جب بغرض علاج لکھنؤ قیام فرماتے تھے تو وہاں نیز بمبئی کے اثناء قیام میں خدمت اقدس میں تشریف لے جاتے تھے، اور حضرت والا حسب معمول آپ کے قیام وطعام کا خاص انتظام فرماتے تھے۔ اور جب حضرت والا حج کے لئے جا رہے تھے تو حضرت مولانا دامت برکاتہم حضرت کو رخصت کرنے کے لئے بمبئی تشریف لے گئے، تو حضرت مصلح الامت بہت مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ آپ سے مجھے بہت توقعات ہیں۔ (۱)

عجز کے پیکر، تواضع کے خوگر

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مولانا خواص وعوام میں مقبولیت اور ارشاد وتربیت کے کام میں مامور کیے جانے کے باوجود شروع سے آخر تک اپنے کو خوشہ چیں اور طالب ہی سمجھتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نے اپنے عہد نظامت میں حضرت سے مظاہر علوم کا سرپرست بننے کی درخواست کی تو حضرت نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ:

"یہ ہمارا مادر علمی ہے اس کا سرپرست بننا اچھا معلوم نہیں ہوتا البتہ جب بھی یاد کیا جائے گا لبیک کہوں گا، مشوروں سے دریغ نہ کروں گا۔ (۲)

وہ افادۂ خلق میں مشغول ہونے کے ساتھ ایسے کسی بھی موقع کو غنیمت جانتے تھے جس

---

(۱) تذکرۂ مصلح الامتؒ، صفحہ ۱۹۸، از مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی، مطبوعہ مکتبہ دار المعارف بخشی بازار الہ آبادی۔ (۲) آئینہ مظاہر علوم محی السنہ نمبر، صفحہ ۹۳۷

میں ان کو کسی شیخ ومربی یا عالم ومعلم سے استفادہ کا (عمومی ہو یا خصوصی) موقع مل رہا ہوتا چنانچہ کوئی عالم آتا تو اہتمام سے ان کا بیان کراتے، اور کئی لوگوں کی جماعت ہوتی تو ان کو اختیار بھی دے دیتے کہ وہ اپنی جماعت کے کسی فرد کا نام بتادیں، وہ کچھ کہہ دے، مدرسہ کا خود معائنہ کراتے، البتہ کوئی بڑی مشغولیت مانع ہوتی یا بیماری حارج ہوتی تو کسی معتمد علیہ کو نمائندہ بنا کر یہ ذمہ داری دے دیتے۔

''اشرف المدارس'' اور ''مجلس دعوۃ الحق'' کا مبارک آغاز

فتح پور کے زمانہ قیام میں اپنے شیخ ومرشد حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا ایماء پا کر اپنے وطن ہردوئی (اتر پردیش) میں تعلیم وتربیت کے کام کے لئے ایک مدرسہ ماہ شوال ۱۳۶۲ھ میں شروع کیا، جس کو ''اشرف المدارس'' کے نام سے معنون کیا۔ اور دعوت واصلاح کے کام کے لئے صفر ۱۳۷۰ھ میں ایک مجلس کی داغ بیل ڈالی جسے ''دعوۃ الحق'' کا نام دیا، یہ حضرت تھانوی کی ہی ''دعوۃ الحق تحریک'' کی تجدید تھی، اسی کے ساتھ اصلاح باطن وتزکیہ کے کام کے لئے خانقاہ کا نظام قائم کیا اور اس میں وہی اصول وضوابط رکھے جو تھانہ بھون کے تھے۔ مدرسہ میں مولانا نے بھیڑ اکٹھا کرنے کے بجائے تعداد کم رکھ کر اس پر محنت کرنے کا اصول اپنایا، کمیت کے بجائے کیفیت پر ان کی زیادہ نظر رہی۔

قرآن کریم کے حفظ وقرأت کا اہتمام اور مدارس ومکاتب کا قیام

علوم میں سب سے افضل واشرف علم قرآن مجید کی صحیح طور پر قرأت اور سنت کے مطابق حروف کی ادائیگی اور اس کی صحیح اور اچھی یادداشت کی فکر پر نظر رہی، اس میں ان کے مدرسہ نے نہ صرف ملک وبیرون ملک میں اچھی شہرت پیدا کر لی، بلکہ ان کے نظام کے طرز پر برصغیر میں مدارس ومکاتب کا قیام عمل میں آنا شروع ہوگیا، مولانا سے اس سلسلہ میں جو مشورہ چاہتا تو وہ مشورہ دیتے اور اس کے بعد اس کی خبر گیری بھی کرتے، اگر انھیں کوئی سرپرست

یا ادارہ وتنظیم کا رکن بنا تا تو وہ برائے نام اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے معذرت فرما لیتے، اور منظوری دینے کے بعد وہاں تشریف لے جاتے، جائزہ لیتے، ایسا نہ ہوسکنے کی صورت میں مراسلت سے کام چلاتے، یا اپنا نمائندہ بھیج کر وہاں کے احوال سے مطلع ہوتے، اور پھر اس کے مطابق مشورے دیتے۔ سرپرست یا ناظم ومہتمم ہونے کی صورت میں صرف مشورے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ حکم فرماتے اور امر ونہی کے کسی ایسے معاملہ میں جہاں انہیں اس کی پوری قدرت ہوتی تو تساہل نہ برتتے اور نہ ہی چشم پوشی کرتے، اور معاملہ کی پوری صفائی چاہتے۔ اگر کسی کو ملی معاملہ میں ذرا بھی خیانت کا عمل کرتے دیکھتے اور اس کی بددیانتی ثابت ہو جاتی تو پھر اسے مرتکب سزا سمجھتے جس کی ان کے یہاں ادنیٰ سزا یہ ہوتی کہ وہ اس ادارے یا مدرسہ سے اپنا تعلق ختم کر لیتے، اور اگر دو فریقوں کے ایک دوسرے پر الزامات واعتراضات دیکھتے تو دونوں کا منصفانہ حل نکالتے۔

مدرسہ کے اساتذہ کو ہدایات اور ان کا اعزاز واکرام

انہوں نے اپنے مدرسہ کے نظام میں اساتذہ کے لئے یہ ضروری قرار دے دیا تھا کہ وہ اپنے اس معاہدے کے پورے پابند رہیں، جس کے تحت مدرسہ نے ان کی خدمات لی ہیں، اسی طرح وہ اس استاد کو بھی تعلیم وتربیت کے لئے مفید نہیں سمجھتے تھے جو منکرات کو اگرچہ روک نہ پارہا ہو مگر خود رک سکتا ہے، اور اس کے باوجود نہ رُک رہا ہو، اسی ضمن میں ان کے یہاں یہ اصول تھا کہ اس کے گھر میں وہ پردہ ہونا چاہیے جسے شرعی پردہ کہتے ہیں۔ مولانا کے یہاں اصول وضوابط پر عمل میں ایک طرف کچھ سختیاں تھیں تو وہ دوسری طرف سہولت ونرمی کا معاملہ ہوتا تھا، اس کی وجہ سے رہائش کا مسئلہ اور دیگر ذاتی ضروریات کے مسائل ان کے ادارہ سے متعلق حضرات کے لئے مسئلہ نہ رہ جاتے، یہی وجہ تھی کہ وہاں کے اساتذہ اور کارکنان اپنے کو مدرسہ کا ہمہ وقتی خادم سمجھتے اور اس سے بڑھ کر اپنے کو حضرت کا ایک غلام سمجھ کر پوری توانائی اور تندہی سے اپنی صلاحیتوں کو کام میں لاتے تھے، جب کہ حضرت والا کا یہ حال تھا کہ مدرسہ کے استاذ کو وہ عزت دیتے تھے

جوعزت ذمہ دار پاتا ہے، اس لئے کہ طالب علم کی تربیت اور تعلیم کا کام اس کے ذریعہ سے ہو رہا ہے، اسی لئے وہاں کے اساتذہ مولانا کے بے پایاں ممنون ہوتے تھے۔

قرآن مجید کا استادان کے یہاں زیادہ عزت وتکریم کا مستحق تھا، بعض موقعوں پر ان اساتذہ سے اپنی نمائندگی کا بھی کام لیتے، اساتذہ وکارکنان اور دعوۃ الحق کے مبلغین میں جس کو زیادہ نشیط، فعال، مفید اور مخلص سمجھتے، جس کے لئے وہ جائزہ لے کر فیصلہ کرتے تھے، تو اس کو خصوصی مراعات دیتے، اس سے ان کے اندر وقت کے بہتر سے بہتر استعمال کا جذبہ پیدا ہوتا۔

مدرسہ میں دینی مکتبہ کا نظم

دینی کتابوں واصلاحی لٹریچر کی اشاعت وتقسیم کے لئے مدرسہ کے احاطہ میں ایک مکتبہ بھی قائم کیا، جس سے وہاں مقیم لوگوں اور زیارت وملاقات کے لئے آنے والوں کے ذریعہ دینی رسائل وکتب کو بڑا فروغ ملا، جواب اچھی مالیت کا ایک قیمتی مکتبہ ہے، مگر مولانا اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالباری ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱) کے ممنون رہے، ایک موقع پر ہم لوگوں سے فرمایا کہ مولانا نے اس کے لئے دوسو روپئے عنایت فرمائے تھے انہی دوسو روپئے سے یہ مکتبہ شروع ہوا، آج ماشاءاللہ اتنا بڑھ گیا، یہ سب ثواب مولانا کو ہی جا رہا ہے۔

تربیت اور ضیافت میں نظم وضبط

نظم وضبط حضرت مولانا قدس سرہٗ کا مزاج بن گیا تھا اور اخلاق حسنہ کا ہی ایک حصہ ہے جس سے دوسرے اذیت وتکلیف سے محفوظ رہتے ہیں، اور مقصود تک آسانی سے رسائی ہو جاتی ہے۔ اس لئے نظم وضبط کے خلاف کوئی بات پیش آتی تو ان کو ناگواری ہوتی ان کا اس پر

(۱) حضرت مولانا عبدالباری ندوی لکھنوی حکیم الامت حضرت تھانوی کے مسترشد وخلیفہ، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کے شاگرد وتربیت یافتہ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فرزندوں میں سے ایک، متعدد کتابوں کے مصنف جن میں مذہب وسائنس، مذہب وعقلیات، تجدید واصلاح وسلوک، معجزانہ انبیاء، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ لکھنؤ میں ۱۹۷۶ء کو انتقال کیا۔

زور اسی لئے ہوتا تھا کہ لوگ تکلیف سے بچیں۔ سیکھنے کے لئے آنے والوں کی حضرت مولانا کے یہاں دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ لوگ جو علم دین کے حصول اور قرآن پاک کی تصحیح کے لئے آتے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو اصلاح نفس اور تربیت حاصل کرنے کے لئے آتے۔ جو جس لئے آتا اس کو اسی خانہ میں رکھا جاتا، قیام وطعام میں اکرام نفس کا پورا خیال کرتے مگر ادارہ پر بوجھ نہیں بننے دیتے تھے، اپنا مہمان بھی تین دن تک رکھتے، اور ایک وقت کھانے میں خصوصی اہتمام بھی فرماتے۔ طالبین اصلاح کو اصلاحی ضابطوں سے گزارتے، ایک ایک کی پوری خبر گیری رکھنے کی کوشش کرتے۔ مہمان ہوں یا مریدین سب کے لئے ضروری تھا کہ وہ حتی الامکان وقت کے ضیاع سے اپنے کو بچائیں اور شب وروز کے لمحات کو کارآمد بنائیں۔

احساسِ ذمہ داری

یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اہم وصف تھا، جو ان سے متعلق تمام کاموں میں ظاہر ہوتا، جس ادارے، یا مدرسہ کے وہ ممبر یا سرپرست ہوتے وہاں کی اہم ضروریات کا خیال وفکر رکھتے، مدرسوں میں وہ طلبہ کے معاملات پر خصوصی توجہ رکھتے، اپنے زیر انتظام مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں دو جنریٹروں کا انتظام کر رکھا تھا، کہ اگر ایک صحیح کام نہ دے سکے تو دوسرا کام دے گا۔ اس طرح طلبہ پریشانی سے بچ جائیں گے، وہ فرماتے تھے کہ طلبہ امانت ہیں، بطور امانت کے ان کو اس معاہدہ کے تحت لیا گیا ہے کہ ہم ان کی فکر کریں، وہ ہماری باتیں مانیں، دونوں اعتبار سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذمہ داری انجام دیتے، اس میں ان کا احساس ذمہ داری اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک بڑا کمرہ بیمار طلبہ کے لئے شفاخانہ کے طور پر مخصوص کر دیا تھا، چنانچہ بیمار طلبہ کو جو رعایتیں اور سہولتیں درکار ہوتیں وہ فراہم کی جاتیں، طلبہ کے معاملہ میں مولانا کی حِس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ طلباء کا جائزہ لیتے وقت ان طلبہ کو بھی بآسانی بھانپ لیتے جو کسی غلطی کا ارتکاب کر کے دوسرے طلبہ کے لئے نقصان دہ بن رہے ہوتے تھے۔ ایک ایسے موقع پر جب مدارس کی چھٹی ہوتی ہے اور طلبہ اپنے گھروں کو جا رہے ہوتے ہیں راقم سطور ہاپوڑ

میں مدرسہ رحمانیہ(۱) کے ایک پروگرام میں شرکت کرکے سید ھے ہردوئی حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا، ۱۵ ارشعبان کی تاریخ تھی مغرب کے وقت بعض طلبہ جارہے تھے، حضرت ان میں بعض سے استفسار کرتے، ایک طالب علم کو قریب بلایا فرمایا اپنا سامان کھولو۔ اس نے اپنا بریف کیس کھولا، اوپر کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے یہ سمجھا جاتا کہ اس نے کسی کی کوئی چیز لی ہے، مگر حضرت مولانا نے ایک کنارے پر اپنی چھڑی ماری فرمایا، نیچے دکھاؤ، یہ سن کر اس کی حالت غیر ہونے لگی، کرتا کیا نہ کرتا، خاصی عطر کی شیشیاں نکلیں، پھر حضرت نے اس کی سرزنش کی، اور جو مناسب سمجھا وہ کیا۔ یہ عجیب منظر تھا جس کا مشاہدہ راقم نے کیا۔ جن مدرسوں میں مولانا نے تعلیم حاصل کی یا وہاں تدریس کے ایام گزارے ان کی بھی فکر رکھتے، ان کا اپنے اوپر حق سمجھتے، چنانچہ مظاہر العلوم سہارن پور، مدرسہ اسلامیہ فتح پور، جامع العلوم کانپور ان سب اداروں کے لئے وہ فکر مند رہتے، اپنے آخری ایام میں ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کو ایک مکتوب روانہ فرمایا جس میں ان سے وہاں کے نظم ونسق سے متعلق چند استفسارات فرمائے، خاص طور سے طلبہ کے لئے جاڑے کے دنوں میں گرم پانی کے انتظام سے متعلق جان کاری چاہی، اور کچھ مفید مشورے دیئے(۲)۔

جامع العلوم پٹکاپور جس کے وہ سرپرست بھی تھے، اس کے معاملات میں پوری توجہ اور فکر مندی سے دلچسپی لیتے، اور جس میں وہ انصاف سمجھتے اس کے مطابق فیصلہ دیتے۔ خانقاہ

---

(۱) مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ ضلع غازی آباد میں ایک معروف قدیم دینی درسگاہ ہے جس کو قاری عبدالرحمٰن صاحب نے قائم کیا، قاری صاحب کا اکابرین دیوبند حضرت تھانوی، حضرت مولانا الیاس صاحب، حضرت مدنی وغیرھم سے بڑا مخلصانہ ربط تھا، اور اس کے اثرات ان کی زندگی میں نمایاں تھے، اب اسی مدرسہ کے ذمہ دار مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمی ہیں، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کو علاقہ کی ضرورت اور بزرگوں کی نسبت سے اس مدرسہ سے تعلق تھا۔

(۲) روایت مولانا محمد معاذ کاندھلوی ندوی استاذ جامعہ مظاہر علوم وخواہرزادہ مولانا سید محمد سلمان صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور۔

تھانہ بھون جہاں کے وہ تربیت یافتہ تھے وہاں کے مسائل سے بھی دلچسپی رکھتے اور حضرت تھانویؒ کے طریقہ اور اصول سے ہٹ کر کسی کام کو دیکھتے ، اور صحیح اصول وطریقہ نہ پاتے تو اس سلسلہ میں فکرمندی کا اظہار کرتے ، خانقاہ تھانہ بھون سے آپ کی ان امور سے دلچسپی حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانی جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وفات کے بعد بڑھ گئی تھی۔

پندوموعظت میں آپ کا موقف اور طریقِ کار

وعظ ونصیحت میں مولانا جذباتی طریقہ کے قائل کم تھے، وہ اس کے قائل زیادہ تھے کہ تھوڑی تھوڑی بات بتائی جائے ، جس کو مخاطب محفوظ رکھ سکے، اور اپنے معمولات زندگی میں داخل کرسکے۔ اس سے مولانا کبیدہ خاطر نہیں ہوتے تھے کہ نصیحت کا فوری اثر سامنے نہیں آرہا ہے، وہ سمجھتے تھے کہ تذکیر کا مطلب ہی یہ ہے کہ بات بار بار کہنی ہے اور بتدریج کہنی ہے۔ ایک مدرسہ کے نگراں واستاد نے طلباء کے تعلق سے یہ عرض کیا کہ بات کہی جاتی ہے مگر طلباء کو جو اثر قبول کرنا چاہیے وہ کرتے نہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ اثر ایک دم سے قبول نہیں کرلیا جاتا ہے، وقت لگتا ہے، بار بار توجہ دلانی پڑتی ہے، اس سے نفع پہونچتا ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (نصیحت کرتے رہیے نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے)(۱)

مسترشدین کی تربیت کا اہتمام اور کشادہ دلی

انسانی فطرت وضرورت کی رعایت مولانا کے یہاں خاصی تھی ، وہ اپنے مسترشدین کی رہنمائی وتربیت میں اس کا پاس ولحاظ رکھتے تھے، اوران مسترشدین کے لئے جن کا بار بار حاضری دینا آسان نہیں تھا اوران کو مراسلت ومکاتبت میں بھی دشواری ہوتی تھی ، ان کو قریب کے کسی مصلح ومربی سے تعلق قائم کرنے کا اشارہ فرمادیتے یا ان کے استفسار پر بخوشی اس کی

---

(۱) سورۃ الذاریات، آیت ۵۵، روایت مولانا عبدالسبحان ناخدا بھٹکلی ندوی استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

اجازت دے دیتے، اس سلسلہ کا ایک مکتوب راقم کی نظر سے گذرا جو قاری عبدالرؤف صاحب استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے ایک خط کا جواب ہے جس میں انہوں نے ایک عالم دین وداعی سے تعلق کی بابت عرض کیا تھا، اس پر مولانا نے ان کو تحریر فرمایا کہ

''آپ کو بخوشی اجازت ہے کہ اصلاحی مکاتبت مولانا عبداللہ حسنی صاحب سے جاری کرلیں''۔(۱)

تربیت مریدین

حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا تربیت مریدین میں ترجیحی طریقہ یہ تھا کہ وہ اس کو سنت کے راستہ سے مقامات قرب الٰہی سے فائز المرام کرنا چاہتے تھے، اور آداب سلوک کو اس کے لئے پیش نظر رکھتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے جو چند خطوط ہماری نظر سے گزرے ان سے ان کا یہ تربیتی نہج سامنے آتا ہے کہ وہ غفلت اور لاپرواہی کو سالک کے لئے بڑا نقصان رسا سمجھتے تھے، ایک نے وقت کی پابندی نہ ہونے کی بات لکھی، تو اس پر فرمایا :

''تعجب ہے کہ اتنی سہل بات کی پابندی نہ کی جاوے، فجر یا عشاء کے بعد معمول مقرر کرلیں خلاف ورزی پر ایک روپیہ خیرات کریں یومیہ علی الفور''۔(۲)۔

یہ پوچھے جانے پر کہ ذکر کا طریقہ کیا ہونا چاہیے، فرمایا:

''جو زبان سے کہا جاوے دل کو اس طرف متوجہ رکھا جائے''(۳)

سنت نمازوں کی پابندی نہ ہونے کی بات کہی جانے پر فرماتے ہیں کہ:

''سنن مؤکدہ کا اہتمام اہم ہے، ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے''۔(۴)

---

(۱) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مدظلہ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مجاز بیعت وارشاد اور ان کے بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی مرحوم پسر مولانا سید عبدالعلی حسنی صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں، بارک اللہ فی حیاتہ۔

(۲) مکتوب ۱۶/رجب ۱۴۱۵ھ، (۳) مکتوب ۱۶/رجب ۱۴۱۵ھ

(۴) مکتوب ۱۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

کھانے پینے، سونے جاگنے کے آداب اور سنتوں سے غفلت پر ان کی تادیب اس طرح ہوتی :

''جو (سنتیں) رہ جاتی ہیں ان پر ہمت کر کے جس قدر ہو سکے عمل کریں، اور جن پر عمل نہیں ہو رہا ہے، ان کی فہرست بنا کر بھیجیں''۔(۱)

نماز کی سنتوں کے سلسلہ میں غفلت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نماز کی سنتوں کو یاد کر لیں، اور اہتمام سے ان پر عمل کریں، پرچۂ سنن نماز مرسل ہے، ایک پرچہ پہ لکھ کر ''سنت پر عمل اہم ہے'' ایک دفتی پر چسپاں کر کے ایسی جگہ رکھیں کہ اس پر نگاہ پڑتی رہے''۔(۲)

مولانا محمد ایوب مُلّا ندوی (بمبئی) کہ جن کی فکر و توجہ سے راقم کو یہ خطوط حاصل ہوئے ایک واقعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں، کہ انقطاع الی اللہ (یکسوئی) کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تصور شیخ کرنے کو کہا مسترشد (مرید) نے اس پر عمل کرنے سے معذرت کی، کہ اس میں شرک کی بُو آتی ہے، حضرت نے بخوشی وانشراح معذرت قبول فرمائی البتہ یہ وضاحت بھی فرمائی کہ بعض امراض کے علاج (مثلاً غیر اللہ سے محبت وغیرہ) کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا جاتا ہے، اگر اس پر طبیعت مائل نہیں ہے تو پھر ایسا نہ کیا جائے۔

اصلاح وتربیت میں نفسیات کا لحاظ

مولانا اصلاح عوام واصلاح خواص دونوں میں ان کی نفسیات کا خاص خیال رکھتے تھے، نہ خود بوجھ بنتے نہ دوسرے پر اتنا بار ڈالتے کہ وہ اٹھا نہ سکے، خود جن پروگراموں یا جلسوں میں تشریف لے جاتے وہاں بھی اس کا لحاظ رکھتے اور اگر وہ داعی ہوتے تو اکرام ضیف واکرام علم وعلماء میں ذرا کمی نہ ہونے دیتے، جلسہ منعقد کر کے عوام کو دین کی باتیں سنانے کا ایک بڑا عمومی پروگرام اپنی نگرانی میں مدرسہ میں کرتے، اس میں کسی معروف ومستند عالم ربانی کو اہتمام

---

(۱) مکتوب ۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ، (۲) مکتوب ۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

سے دعوت دیتے اوران کا بیان رکھتے ،اوران کونمایاں حیثیت دیتے (۱)،خودنمائی سے احتراز کی یہ بھی ایک مثال ہے کہ مرکزی اداروں کی حیثیت سے مولانا ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور مظاہرعلوم کے علماء میں سے کسی ایک کو بوقت ضرورت بلاتے اوراب آخر کے ادھر چند سالوں سے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کی ہی خصوصی تقریر کرانے لگے تھے۔ ایسے ممتاز علماء کو بھی دعوت دیتے جن کی سحر بیانی سے عوام جلدی اثر قبول کرتے ہیں، متعدد بار مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب (مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ) اور مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی (صدر جمعیت شباب الاسلام) کو بھی اہتمام سے بلایا۔

دوسرے بزرگان دین کے متوسلین کا خیال

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعدان کے متعلقین ومتوسلین پر حضرت کی عنایات وتوجہات خاصی بڑھ گئی تھیں "الجزاء من جنس العمل" کا اثر ونتیجہ کہا جائے یا بزرگانہ انداز اور مقام ارشادوتربیت کا احساس ذمہ داری کہ ادھر آخر کے چند سالوں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معاملہ وسلوک بعض علمائے ربانیین ومشائخ کبار کے متوسلین ومتعلقین کے ساتھ مشاہدہ میں آیا تھا، خصوصاً حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے سانحۂ وفات کے بعد مرکز دعوت وتبلیغ نظام الدین دہلی کے تعلق سے، اسی طرح حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کے اخلاف کے ساتھ اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک حادثۂ وفات کو انہوں نے اپنا ذاتی وخانگی حادثہ سمجھا تھا(۲)، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ

---

(۱) مجلس دعوۃ الحق کے تحت یہ پروگرام ہردوئی کے اطراف، گاؤں، قصبات میں بھی منعقد ہوئے، اوراس میں مولانا کا اشارہ ہوتا کہ دیگر علماء کو بھی دعوت دی جائے، ابھی اعظم پور (سندیلہ) میں ان پروگراموں میں جن میں حضرت مولانا نے خودشرکت فرمائی، ندوۃ العماء کے اکابر کے ساتھ حاضری کی ناچیز کو بھی سعادت حاصل ہوئی اور مولانا کے دعوتی واصلاحی طریقۂ کار کو دیکھنے کا موقع ملا۔

(۲) انہی ناموں میں ایک نام حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی علیہ الرحمہ کا بھی ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے رفیق دعوت وشریک کار رہے تھے اور ایک طویل علالت کے بعد لکھنؤ میں انتقال کیا۔

ابرارالحق صاحب کا بھی ان حضرات کے متوسلین کے ساتھ اسی جیسا مشفقانہ وسرپرستانہ تعلق تھا، اور یہ سب حلقے اب آخر میں حضرت محی السنہ کی خدمت میں زیارت وملاقات اور طلب دعا کے لئے حاضری کو اپنے لئے عین سعادت جانتے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب مدظلہما نے ہر کچھ وقفہ کے بعد ہردوئی حاضری کو اپنے معمول میں داخل کرلیا تھا، اس کی وجہ سے حضرت والا کو بھی انتظار رہتا، اور وقفہ زیادہ ہونے کی صورت میں یاد فرماتے۔

مولانا عبدالحق صاحب اعظمی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی استاد تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی نیازمندانہ حاضری دیتے، انہوں نے بیعت کا تعلق بھی قائم کرلیا تھا، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب اعظمی ندوی بھی استفادہ کرتے انہوں نے حدیث شریف کی اجازت بھی لی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بھی ربط تھا، اسی ربط وتعلق نے ان سے حضرت محی السنۃ کی وفات پر ایک مؤثر وتفصیلی مضمون لکھوایا، جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔(۱)

دارالعلوم دیوبند کے بھی کئی اساتذہ نے استفادہ واسترشاد کا تعلق رکھا جن میں خصوصیت سے مولانا محمد قمرالدین صاحب سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا نام قابل ذکر ہے، جو مجاز طریقت بھی ہوئے۔

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کے احفاد واخلاف بھی رابطہ رکھتے اور مولانا، امام اہل سنت کے تعلق سے لکھنؤ کے شہدائے اسلام کے پروگراموں میں شرکت کی دعوت کو منظور فرماتے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے افراد خاندان بھی حضرت مولانا سے تعلق رکھتے، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور بعد میں بقیۃ السلف حضرت مولانا

---

(۱) اس رسالہ کو حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کے ہی ایک محب مخلص وعاشق زار جناب الحاج نور عالم علوی لکھنؤ نے شائع کراکر تقسیم کرایا۔

محمد احمد صاحب رحمہما اللہ کی وجہ سے الہ آباد آپ کی خاصی آمد ورفت رہی تھی، اس لئے الہ آباد کے لوگ آپ سے خاصے مانوس تھے، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی اور مقبول نعت گوشاعر محترمی جناب انیس پرخاصوی صاحب اور اسلامی روح ومزاج کے ہردل عزیز شاعر جناب کامل چاٹلی صاحب کے نام اس سلسلہ میں نمایاں ہیں، جناب کامل چاٹلی صاحب کا تعلق بیعت وسلوک کا بھی تھا اور وہ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ معاصر علماء میں مفتی عبدالقدوس روحی صاحب بھی وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے آتے۔

علماء اور اساتذہ کی نسبتوں کا خیال

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب اساتذہ ومشائخ کی نسبتوں کا بڑا خیال فرماتے تھے، دین اور علم کی نسبت سے ان کا یہ خیال ان سب مشائخ وعلماء اور خادمین دین وملت کے ساتھ تھا جن کو وہ ربانی اور حقانی سمجھتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کے پورے مولوی سید حبیب احمد مدنی اور نواسہ مولوی سید محمد عفان حسینی منصور پوری نے لکھنؤ سے ہردوئی جانے کا ارادہ ظاہر کیا، راقم نے حضرت کو براہ راست فون کے ذریعہ واقف کرایا اور حضرت مدنی کی نسبتوں کا بھی ذکر کیا، اس پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت اور بشاشت سے یہ اطلاع سنی اور بلند کلمات فرمائے۔ پھر ان کے وہاں پہونچنے پر شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، اور مسرور ہوئے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ مغیثی صاحب (صدر آل انڈیا ملی کونسل) اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضرت شاہ صاحب کی تعلیم وتربیت مظاہر علوم کے اکابر وشیوخ بالخصوص حضرت الحاج مفتی قاری سعید احمد اجراڑوی کی زیرنگرانی ہوئی جس کا تذکرہ آپ برابر فرماتے تھے، اسی تعلق کا اظہار آپ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری (اجراروی) ناظم مظاہر علوم وقف، سہارن پور کے ساتھ تاحیات فرماتے رہے، جس

وقت مرشدی حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے ہردوئی کا اشارہ فرمایا تو میں ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لکھنؤ سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت شاہ صاحب نے میرے ساتھ جس درجہ غیر معمولی محبت وشفقت اور خوردنوازی کا مظاہرہ فرمایا وہ لمحات میرے لئے انتہائی سعادت مندی کے تھے، اپنی کبرسنی اور انتہائی نقاہت کے باوجود دو گھنٹہ میرے ساتھ رہے، اور کرسی پر بیٹھ کر انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ اپنے ادارہ کی ایک ایک چیز دکھاتے رہے، اور آخر میں یہ فرمایا کہ ''عبداللہ! میں اپنے معمولات کے خلاف تمہارے ساتھ یہ عمل اس لئے کر رہا ہوں کہ تم میرے مشفق ومربی اور استاذ حضرت مولانا قاری سعید احمد اجراڑوی کے اس مدرسہ کے نگراں اور ذمہ دار ہو جس کے وہ پہلے شاگرد تھے، آج بھی میں اسی تعلق کی بنیاد پر حضرت مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری جو ایک عالم باعمل شخصیت اور اکابر مظاہر علوم کی روایات کے امین ہیں ان سے محبت رکھتا ہوں''۔(۱)

دینی وتعلیمی کاموں میں تعاون اور مصیبت زدوں کی امداد

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جن گوناگوں صفات سے نوازا تھا، ان میں ایک بڑا وصف تعاون وہمدردی اور مصیبت زدوں کی امداد ودلجوئی بھی تھا، اس سلسلہ کا ایک واقعہ مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ کا نقل کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا جمیل الرحمٰن صاحب قاسمی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس وصف کو مدرسہ رحمانیہ کے واقعہ کے تناظر میں ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے راقم کے نام ایک ذاتی تحریر میں رقم طراز ہیں:

''محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ عارف باللہ بزرگوں میں تھے، خالق سے تعلق فنائیت وفدائیت کا اور خلق سے تعلق خبرگیری دستگیری اور ترحم کا یہ پہلے بزرگوں کے اخلاق حسنہ اوصاف حمیدہ سننے میں پڑھنے میں آتے تھے، حضرت محی السنۃ کی صحبت وقربت میں سب کچھ دیکھا، علم وفضل، تقویٰ تقدس، فراست

---

(۱) آئینہ مظاہر علوم ''محی السنہ نمبر'' صفحہ: ۱۷۔

ذہانت، خشیت انابت، اخلاق کریمانہ، دردمندی ،فکر مندی، اکرام ضیف، غرباء نوازی کرم گستری جیسے اوصاف گراں مایہ حضرت والا کے اعمال سے ہویدا تھے، حضرت نے خاموش طریقہ پر احیاء سنت ترویجِ شریعت اور تزکیۂ نفس وتطہیر باطن کا کام کیا، دعوت کا کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی، تعلیم وتربیت میں لگے رجالِ کار حضرت کے منظور نظر رہے ہر طرح حضرت ان کی رہنمائی ودستگیری فرماتے تھے۔

والد مکرم حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ پر حضرت محی السنۃ کی خاص نظرِ عنایت تھی، درجنوں بار حضرت جامعہ رحمانیہ تشریف لائے، ۱۹۶۰ء کی دہائی میں راقم کی عمر طفولیت تھی، حضرت محی السنۃ کے تشریف لانے پر گھر اور مدرسہ میں جشن کا سماں رہتا، والدہ ماجدہ فرماتیں، بہت بڑے بزرگ تشریف لارہے ہیں، راقم کو اس زمانہ میں حضرت کے پیر دبانے، سر میں تیل لگانے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت والا جب بارہا اس ناکارہ کو حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضری کے لئے ہردوئی لے گئے، کئی کئی دن قیام رہتا، شب وروز حضرت کی سنت پر عمل آوری طلباء کی تربیت ونگرانی، آنے والے ضیوف کرام کی خاطرداری، پریشان حال لوگوں کی دستگیری کے مناظر کا مشاہدہ ہوتا، نورانی وروحانی ماحول میں ذہن وقلب کو آسودگی وطمانینت ملتی۔

والد مکرم نے ایک بار فرمایا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کے وصال کے بعد کئی بار ادارہ کو بحران کا سامنا کرنا پڑا، وسائل کے فقدان نے کمر ہمت کو شکستہ کیا، غیر متوقع طور پر حضرت محی السنۃ تشریف لائے، کبھی دہلی یا علی گڑھ طلب کیا، اور حالِ زار معلوم کیے بغیر تسلی تشفی کے کلمات صادر فرمائے، حوصلہ دیا، ڈھارس بندھائی، اور کسی ورد یا وظیفہ کی تلقین کی، چند دن میں حالات بدلے اللہ نے پریشانیاں دور فرمادیں۔

راقم کو خود دو بار اس کا مشاہدہ ہوا، میں نے یقین کرلیا کہ حضرت صاحبِ کشف بزرگ ہیں قطبیت کا مقام رکھتے ہیں، اپنے محبین کے احوال پر حضرت کی نظر ہے۔

یکم نومبر ۱۹۹۲ء کو حضرت والا اکرم قدس سرہ کا وصال ہوا، حضرت کی طرف سے تعزیت کا خط آیا، صبر وشکیبائی کی تلقین ملی، حضرت والد صاحب کے بعد لیل ونہار کا رنگ بدلا نظر آیا، زمان ومکان کی بے کیفی نے قلب ودماغ کو ماؤف ومعطل کردیا، غالبًا مارچ ۱۹۹۳ء کا رمضان آیا، ماہ مبارک کا آخری عشرہ شروع ہوگیا، معطیان کرام کی بے التفاتی بعض رفقاء کار کی سردمہری نے قوائے فکر وعمل کو مضمحل کردیا، ادارہ پر بڑا قرضہ اور رمضان عموماً آمدنی کا مہینہ وہ قریب الختم اور وسائل کا فقدان جوں کا توں، راتوں کو رو رو کر اللہ سے دعائیں کیں۔ عید کے ایک دن قبل حضرت کا مکتوب گرامی ملا، حضرت نے بعض اعمال کی تلقین کی، بعد فجر بعد مغرب کے ایک خاص ورد کی ہدایت کی، اسی دن سے ورد شروع کیا، ہر دن وسائل افزوں ہونے لگے یہاں تک کہ ذی الحجہ کے آخر تک اللہ نے بڑے قرضوں سے نجات دی، اور ذہن ودماغ کی صلاحیتیں بروئے کار آگئیں، اور سفرِ زندگی حسب معمول رواں ہوا۔

نومبر ۱۹۹۵ء میں جامعہ کی قدیم سہ منزلہ عمارت گرگئی، املاک کے ساتھ جانی نقصان بھی ہوا، یہ ناکارہ دم بخود تھا، اللہ کو کیا منظور ہے، پے در پے آزمائش ہے، یہ ناکارہ سکت نہیں رکھتا، شاید اللہ کو منظور نہیں کہ میں ادارہ کی خدمت کروں، مالی سال کا آخری زمانہ تھا مدرسہ کا جملہ خرچ قرض پر چل رہا تھا، عمارت گرگئی، زخمی طلباء کا علاج پڑوسی کے نقصان کی تلافی، جاں بحق ہونے والے افراد کے اہل خانہ کی اشک شوئی، اور سب سے بڑھ کر طرفہ تماشا، کہ بعض حاسدین، معاندین کی ریشہ دوانیاں، الزام تراشیاں، ان سب مسائل سے نبرد آزما ہونا ناکارہ کے بس سے باہر تھا، ایک شب انتہاء درجہ خود کو قاصر عاجز محسوس کیا، بعض قریبی احباب کو لے کر بیٹھا اور اہتمام چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا، احباب بضد تھے کہ تجھے ہی انتظام وانصرام چلانا ہے مگر راقم خستہ جاں دل شکستہ مہجور ومجبور اپنے عزم کو آخری فیصلہ کا درجہ دے چکا تھا اس ردّ وقدح کے ماحول میں اگلے دن پر مشاورت موقوف کی گئی۔

اگلے دن بعد نماز فجر حضرت محی السنۃ کی جانب سے دو عالم بطور قاصد ہردوئی سے جامعہ رحمانیہ پہونچے، حضرت والا کا مکتوب گرامی دیا، اور مبلغ دس ہزار روپئے کی خطیر

رقم حضرت محی السنۃ کی جانب سے بطور امداد عنایت فرمائی۔

حضرت والا نے مکتوب گرامی میں اس اندوہناک حادثہ پر شدید قلق واضطراب کا اظہار فرمایا، فوری تشریف آوری کی تمنا ظاہر فرمائی، مگر معالج کی پابندی کے سبب حضرت تشریف نہ لا سکے۔

حضرت نے تحریر فرمایا کہ سردست یہ تعاون حاضر ہے آپ ادارہ کی ضروریات تحریر کریں، اہل خیر کو توجہ دلا کر مزید تعاون دلایا جائے گا۔

حضرت کی اس تحریر اور کرم افشانی سے راقم کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ ضمیر نے احساس دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت محی السنۃ کے قلب میں محبت ودیعت فرمائی انھوں نے دادرسی فرمائی، اور مستقبل قریب میں مزید تعاون کی پیش کش فرمائی ہے تو ایسے مقدس اور قابل تکریم وسائل آنے کے بعد ادارہ کی خدمت چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں۔

راقم نے احباب کو خوشخبری دی، اور اپنا فیصلہ بدلنے کا مژدہ سنایا، تب سب شادکام ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

مذکورہ حادثہ کی خبر سب اکابر کو دی گئی تھی، دیگر اکابر نے دعاء کے ذریعہ ہمت بندھائی، لیکن حضرت محی السنۃ نے دعاؤں کے ساتھ عملی طور پر بھی ادارہ کی نشاۃ ثانیہ میں حصہ لیا، تعمیر وترقی کا مبارک کام شروع ہوگیا جو تاہنوز جاری ہے، اس واقعہ سے حضرت کے کشف اور صاحب نسبت بزرگ ہونے کا معاملہ اور واضح ہوگیا، کسی طرح حضرت نے ہمارا کرب محسوس کیا، اور ادارہ کو جانکنی کے عالم سے نکالا۔ اس موقع پر مولانا نے جو مکتوب ارسال کیا وہ درج ذیل ہے۔

باسمہٖ تعالیٰ

مکرمی! زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا حالات معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا فوراً تقاضہ حاضری کا ہوا مگر بوجہ

ناسازیٔ طبع آجکل معالج نے اسفار بند کر رکھے ہیں۔

وہاں کے لئے کچھ رقم بھیجنے کا داعیہ ہوا، اس وقت مبلغ دس ہزار روپیہ مرسل ہیں، مد عام کی رقم سے متعدد اہل خیر کی طرف سے،........حالات مدرسہ ہٰذا کے لئے کوئی اشتہار تیار ہو تو بھیجد یجئے اس سلسلہ میں تعاون اہل خیر نے کیا ہے کن کن مقامات سے، دوسرے مقامات اہل خیر کو بھی توجہ دلانے کا خیال ہے اگر کوئی مضمون مرتب کیا گیا ہو تو مطلع کیجئے۔

حامل رقعہ ہٰذا ادارہ دعوۃ الحق کے دفتر کے ذمہ دار ہیں یہاں پڑھا بھی ہے مولوی ظہور الحسن صاحب کی نواسی ان کے عقد میں ہیں، گوہاٹی سے واپسی کا قصد ہے، مدرسہ کا پورا معائنہ کرادیجئے، اور وقتی ضروریات سے بھی مطلع کیجئے، مدرسین کی تنخواہ کس قدر باقی ہے، اس وقت تحویل کس قدر ہے۔

والسلام

ابرار الحق

۲۷/ رجب ۱۴۱۶ھ

تربیت واصلاح میں آپ کا نہج ومسلک

تربیت واصلاح باطن کے کام میں مولانا اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نہج ومسلک کو پوری طرح اپنائے ہوئے تھے، آنے سے پہلے اطلاع دینا، مدت قیام کی وضاحت کرنا، ضرورت سے زائد نہ بولنا، جس مقصد کے لئے آنا ہو، اس میں یکسو ہونا، سیاسی باتوں سے گریز کرنا، اپنی فکر کرنا، دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کرنا، مجلسیں نہ لگانا، ملاقات واستفادہ سے پہلے اس کا وقت چاہنا اسی طرح قیام وطعام میں جیسا نظم ہو اس پر راضی رہنا وغیرہ وہ باتیں ہیں جو خانقاہ تھانوی کے تربیت یافتہ کی خانقاہ میں دیکھنے میں آتی تھیں۔ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کرنے والوں کے لئے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ”اب میں بیعت کرتے وقت غیبت اور بدنگاہی اور بدگمانی سے احتیاط کا بھی عہد لیتا ہوں نیز قرآن پاک کو

تجوید کے قواعد سے کسی ماہرفن سے مشق کرنے کا عہد بھی لیتا ہوں، نیز بہشتی زیور کا ساتواں حصہ، حقوق الاسلام، قصد السبیل کا غور سے مطالعہ کرنے کی تاکید بھی کرتا ہوں اور ایک تسبیح استغفار ایک تسبیح کلمہ شریف اور ایک تسبیح درود شریف کی ضرور بتاتا ہوں‘‘۔

ایک مبارک سفر اور ذاتی تجربات

ان باتوں کی دوسروں میں اس طرح شہرت ہو چلی تھی، کہ مولانا کا مزاج بڑا ہی سخت ہے، ان سے استفادہ ہر ایک نہیں کرسکتا، مگر ہم لوگوں کے لئے یہ بات اس وقت غلط ثابت ہوئی، جب مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے پانچ چھ اساتذہ (جن میں مولانا بلال حسنی صاحب نبیرۂ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ، مفتی راشد حسین صاحب مہتمم مدرسہ، حافظ شفیق الدین صاحب، مولانا محمد ایوب صاحب ندوی اور راقم سطور بھی شامل تھا) حضرت کی خدمت میں ہردوئی پہونچے، اس سفر کے محرّک وہیں کے ایک سابق طالب علم مولوی محمد نعمان بھٹکلی جواب ہمارے مدرسہ کے طالب علم تھے اور وہ حضرت کی نوازشوں سے خوب محظوظ ہو چکے تھے، اللہ، اللہ کرکے ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں کیا معاملہ کیا جاتا ہے، ہم کمزوروں کو اسی سختی سے گزرنا پڑتا ہے جسے سنتے آئے تھے، انہی اصول وضوابط کی نذر رہنا پڑتا ہے جو پڑھتے آئے تھے، دیکھتے کیا ہیں دنیا ہی کچھ اور ہے، ایسی شفقت جو نہ سنی تھی اور نہ دیکھنے کو ملی، حضرت والا خود کمرہ پہونچ جاتے ہیں، اس کمرہ میں جہاں ہم لوگوں کو رکھا گیا تھا وہاں معانقہ فرماتے ہیں اور اسی میں ایسی تادیب فرماتے ہیں، کہ ان کے ایک ایک لفظ سے پھول جھڑتا نظر آتا ہے، ہم لوگ سلام کرتے ہیں، اس میں بھی ایسی اصلاح فرماتے ہیں، کہ جیسے کوئی ماں اپنے لال کو سکھا رہی ہو، کسی ایک سے مدرسہ میں خطاب کے لئے کہتے ہیں، حکماً نہیں اپنے یہاں کا معمول بتا کر، مگر یہ کہنا بھی کس کا ہے جس کا ایماء حکم ہی کے درجہ میں ہے، ہم سب بالاتفاق مولانا بلال حسنی صاحب کا نام پیش کردیتے ہیں، آخر دوسرے دن بعد نماز فجر ان کا ضرورت اصلاح وتربیت پر جامع اور مؤثر بیان ہوتا ہے، جسے مولانا ایک آڑ میں تشریف فرما ہو کر پورا سنتے ہیں، اور پسند فرماتے

ہیں، اوراس کی اطلاع بھی دیتے ہیں۔

اس قافلہ میں جناب حافظ شفیق الدین صاحب ہی وہ شخص تھے جن کی داڑھی کے بال سفید ہورہے تھے، باقی سب کے سب سیاہ بال والے تھے، مولانا نے اپنی خصوصی مجلس میں بلایا تو ان کے پیچھے سہارے کے لئے گاؤ تکیہ رکھی، خال محترم مولانا بلال عبدالحی صاحب نے اپنے دادا (راقم کے پرنانا) مولانا حکیم سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا ذکر کیا اور کے ان افراد خانہ کا سلام پہونچایا، مولانا کو ڈاکٹر صاحب کے ذکر سے خوشی ہوئی، معلوم ہوا کہ مولانا اس وقت ڈاکٹر صاحب کے گھر واقع لکھنؤ (گوئن روڈ امین آباد) تشریف لے گئے تھے جب حضرت تھانوی لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے، اور وہ مسجد خواص سے ڈاکٹر صاحب کے مکان تک پیدل تشریف لے گئے تھے دس منٹ کا یہ راستہ طے کرنے میں ان کے ہمراہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب بھی تھے، مولانا نے ایک نوازش یہ بھی فرمائی کہ ہم خوردوں کو مدرسہ سے واقف کرانے کے لئے کسی اہلکار کے حوالہ نہیں کیا بلکہ بذات خود زحمت فرمائی، اور ایک ایک جگہ خود دکھائی اور یہاں کے نظم سے واقف کرایا، جمعہ کی نماز ہم لوگوں نے حضرت والا کے ساتھ ہی ان کی مسجد میں ادا کی، جو مدرسہ کے اندر ہی ہے اور مدرسہ و مکان کا پورا احاطہ یہ مولانا کی اپنی ذاتی جگہ تھی جو تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر رکھی ہے، مولانا جس اہتمام کے لئے جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لائے تھے وہ قابل دید تھا، نہ کہ شنید ہے ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

سلطان المشائخ کی تعبیر کتابوں میں پڑھی تھی یہاں دیکھنے کو ملی، ایسا حسین منظر پہلی بار دیکھا ایک تو مولانا کا اپنا فطری حُسن و جمال اس پر لباس کا جمال و زینت، اور سراپا وقار وطمانینت، پھر دوبارہ کبھی مولانا کو ایسے لباس اور ایسے تزک و احتشام میں نہیں دیکھا، "خذوا زینتکم عندکل مسجد" (سورۃ الاعراف، آیت: ۳۱) کا جو اعلیٰ سے اعلیٰ

---

(۱) برادر اکبر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی و سابق ناظم ندوۃ العلماء متوفی ۱۳۸۰ھ-۱۹۶۱ء۔

مفہو سمجھ میں آسکتا ہے ایسا مفہوم جو اس کی روح کو لئے ہوئے ہو اور اوقات صلوٰۃ میں جمعہ کی جو اہمیت ہے، اس کا بھی اس میں رنگ ہو مولانا کو اس موقع پر دیکھ کر سمجھ میں آیا، کھانے وغیرہ سے جب ہم لوگ فارغ ہو گئے تھوڑا قیلولہ بھی کرلیا، روانگی کی چائے بھی پی لی، روانگی کا وقت مولانا معلوم کر چکے تھے، ہم لوگ اپنے حجرے سے نکلے تو مولانا کو باہر کھڑا پایا، بڑے چھوٹے کے فرق کے ساتھ ہم لوگ کھڑے ہو گئے، مولانا نے اپنے تربیتی واصلاحی رسائل اور پرچے ایک ایک کو بالترتیب دیئے اور دعائیں دیں، اور ہم لوگ رائے بریلی کے لئے روانہ ہو گئے، اب تک ہم لوگ مولانا کی شان جلالی کا تذکرہ سنتے آئے تھے، شان جمالی کے تجربہ کے ساتھ واپس ہوئے۔ رفیق گرامی مولانا محمد حسن ندوی (جو اس سفر میں ہمراہ نہیں تھے دوسرے سفر میں ساتھ تھے) کے الفاظ ہیں کہ حضرت والا قدس سرّہٗ کے نظم وضبط کو سنتے ہوئے ان سے ملاقات اور ہردوئی حاضری سے ڈر لگا رہتا تھا مگر ملاقات کے بعد ان کی شفقت ومحبت کو دیکھا اور وہ ہر بار سراپا شفقت ہی نظر آئے۔

محی السنۃ جس کا ہم رنگ کوئی پھول گلستاں میں نہیں

ایک صحافی کا تأثر

اس آخری عرصہ حیات میں حضرت کا جو حال ومقال تھا اور اس پر لوگوں کے نثار ہونے کی جو کیفیت تھی اسے مشہور صحافی (۱) جناب امین الدین شجاع الدین صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے:

''آسمان کی سی بلندی، زمین کی سی وسعت اور سمندر کی سی گہرائی!!! ایسا کیوں کر تھا؟ اس لئے کہ شاہ صاحب فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی عملی تصویر تھے، کوئی یہ جاننا چاہے کہ فلاں معاملہ میں اللہ کے رسول کی سنت کیا تھی تو اسے کتابیں کھنگالنے کی ضرورت نہ تھی، بس شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ لینا اس کے لئے کافی ہوتا، ان کی کتابِ زندگی

---

(۱) مدیر اعزازی ''بانگ حراء'' لکھنؤ وسابق رئیس التحریر تعمیر حیات لکھنؤ۔

سنت رسول کی بھرپور عکاس تھی، عشق رسول کا سچا پکا جذبہ ہی تو تھا کہ حضرت نے احیائے سنت کے کاز کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، قرآن پاک سے، اس کی ترویج واشاعت سے اور فن تجوید کے سلسلہ میں ایسی دردمندی وفکرمندی اور دلسوزی کہ اس کی نظیر موجودہ دور میں بظاہر تو نظر نہیں آتی، نہ معلوم کتنے ایمان والوں کو حضرت کی توجہ وعنایت کی بدولت قرآن پاک کو فن تجوید کی پوری پوری رعایت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق وہدایت رب کریم نے عطا فرمائی ہوگی۔ زندگی کے ہر عمل میں وہ شریعت کی بالادستی اور اس پر پورا پورا عمل دیکھنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی مداہنت انھیں گوارا نہ تھی، باریک سے باریک اور چھوٹے سے چھوٹے مسائل پر وہ اپنی توجہ مرکوز رکھتے، ان کا ذہنی سانچہ اور ان کی پوری عملی زندگی شریعت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی، اگر کوئی مخالف ومعاندِ اسلام کبھی ہم سے پوچھتا کہ روئے زمین پر کوئی ایک شخص ایسا بتادو جو شریعت کا مکمل آئینہ دار ہو تو بلا تأمل شاہ صاحب کو پیش کیا جاسکتا تھا۔ ان کے نام کے ساتھ حق لکھا ہوتا تھا اور حق تو کڑوا ہوتا ہی ہے چنانچہ وہ صرف امر بالمعروف کی حد تک کام کے قائل نہ تھے بلکہ نہی عن المنکر کے بغیر وہ ایسے کسی بھی مشن کو ناقص سمجھتے تھے۔

چہرہ پر نورانیت کے وہ آثار کہ جی چاہتا تھا کہ یہ مبارک چہرہ نظروں سے اوجھل ہی نہ ہو، گفتگو میں وہ مٹھاس، وہ تاثیر کہ بات دلوں میں اترتی چلی جائے اور دلوں کے تاروں کو چھیڑ دے، چشم کو پُرنم بنادے، وضع قطع میں سادگی لیکن وہ جاذبیت کہ شیروانی کی شان بھی اس پر نثار وقربان۔ آخر عمر میں تقریروں میں بات واضح طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی، لیکن راقم آثم اس کا عینی شاہد ہے کہ لوگ گوشِ دل سے سنتے اور سب کی کوشش ہوتی کہ حضرت کے کسی ایک جملہ سے بھی محرومی نہ ہونے پائے''۔(۱)

عائلی زندگی

یہ ایسا عنوان ہے جس پر میں محض اپنی معلومات پر جو اڑتی اڑاتی ہم تک پہونچیں لکھنے

---

(۱) بانگ حرا، جون ۲۰۰۵ء۔

کی جسارت نہیں کرسکتا تھا، اس لئے اس بات کی کوشش کی کہ مولانا کے گھر کے افراد سے ہی مولانا کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں صحیح واقفیت حاصل کرلی جائے، محترمی مولانا محمد شعیب صاحب بستوی نے جوطویل عرصہ تک حضرت مولانا کی خدمت میں رہے ہیں، اور بڑی حدتک اس پہلو سے واقف بھی ہیں، اور حضرت مولانا کے اہل خانہ کا اعتماد بھی رکھتے ہیں اس سلسلہ کی معلومات یکجا کر کے ایک مضمون راقم کوارسال کیا وہی مضمون بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے(۱) وہ لکھتے ہیں:

حضرت اقدس محی السنۃ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کے گھریلو زندگی کے حالات مختصراس طرح ہیں:

۱۔اپنے گھر والوں کے ساتھ جو معاشرتی زندگی حضرت والا نوراللہ مرقدہ کی تھی وہ عین سنت کے مطابق یعنی اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے، کبھی ترش روئی یا ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ دیکھنے، سننے میں نہیں آیا (اہلیہ محترمہ) یعنی مخدومہ امی جان صاحبہ مدظلہا کی ہرضرورت کا خیال فرماتے، ان کی فرمائشات کو پورا فرماتے اور ہرطرح سے دلجوئی سے کام لیتے تھے، ان سے کوئی مشقت کا کام لینا حضرت والاؒ کو گوارا نہ تھا، کبھی اس کو پسند نہیں فرمایا، ان کی ہرنوع کی راحت کا خیال فرماتے تھے۔(۲)

---

(۱) میں اس سلسلہ میں خاص طور پر برادر عزیز حافظ مصباح الدین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری اس دشواری کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مولانا کے اہل خانہ سے رابطہ قائم کیا اور یہ مضمون حاصل کیا، یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کا نکاح حضرت حکیم الامت تھانوی کے ایماء پر لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر جو حضرت تھانوی کے بھی معالج رہے خاں بہادر ڈاکٹر محمد احمد علی شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوا، جناب وصل بلگرامی صاحب حضرت تھانوی کے سفر لکھنؤ کی روداد میں تحریر فرماتے ہیں ''خاں بہادر ڈاکٹر محمد علی شاہ صاحب لکھنؤ کے مشہور تجربہ کار اور قابل دندان ساز ہیں، نہایت سچے مسلمان باکمال، خلیق اور ہمدرد ہیں''۔

(۲) حضرت قدس سرہ کی خانگی زندگی مثالی زندگی تھی، حضرت کو اپنے اہل خانہ سے دینی کاموں میں بڑی تقویت ملتی تھی اور اہلیہ صاحب مخدومہ (بارک اللہ فی حیاتہا) سے حضرت اہم مسائل میں ضرور مشورہ کرتے اوران سے دعاء کے لیے کہتے، حضرت ان کو مستجاب الدعوات خواتین میں سمجھتے تھے وہ بھی حضرت والا کے منشاو مزاج کا بڑا خیال کرتیں اوران کے مہمانوں کی فکر رکھتیں جس دن حضرتؒ کا انتقال ہوا اس دن بھی مہمانوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب خیال کرنے کی باہر ہدایات بھیجتی رہیں۔(مرتب)

اور صاحبزادۂ گرامی قدر میاں اشرف الحق مرحوم کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، اسی طرح صاحبزادی عذراء فاطمہ سلمہا کی ہر ضرورت وفرمائش کو خوشی وخوش دلی کے ساتھ پوری فرماتے، ان کی تعلیم وتربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

۲۔مخدومہ امی جان کا فرمانا ہے کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو تیز سواری پسند تھی۔

۳۔گھر کے اندر کے معمولات بھی متعین تھے، اس کا نقشہ بھی حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی نشستگاہ میں آویزاں رہتا تھا، مثلاً صبح کس وقت اٹھنا ہے، منجن کس وقت کرنا ہے، ناشتہ کا کیا وقت ہے، پھر طعام دوپہر کا کیا وقت اور طعام شام کا کیا وقت ہے؟ گھر میں کتنی دیر رہنا ہے؟ اور مدرسہ کے لئے کس وقت حاضری دینا ہے؟

۴۔رمضان المبارک میں حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے کچھ معمولات بڑھ جاتے تھے، ۹ر بجے تک انہیں کا وقت رہتا تھا، اس کے بعد مدرسہ تشریف لاتے تھے، سحری میں معمولی غذا دلیہ وغیرہ کا استعمال فرماتے تھے، افطار میں عام طور پر اساتذۂ کرام وغیرہ کے ساتھ شریک رہتے تھے۔

۵۔صحت کے زمانہ میں پانچوں نمازوں کے وقت غسل کرنے کا معمول تھا یعنی "خذوا زینتکم عند کل مسجد" کا عملی نمونہ تھا، کپڑے تبدیل فرماتے، عطر استعمال فرماتے، پھر مسجد تشریف لے جاتے، اس میں مخدومہ امی جان صاحبہ مدظلہا کا خاص تعاون رہتا تھا۔

۶۔نواسوں کے ساتھ پیار ومحبت کا معمول تھا گویا یہ سنت بھی حضرت والا ہی کا حصہ تھی، سبھی کو محبت وشفقت کے ساتھ بلاتے، ان کی تعلیم وتربیت میں خاص دلچسپی رکھتے تھے، ان کا قرآن شریف خود سنتے تھے، اور ضروری تصحیح کا اہتمام فرماتے تھے۔

۷۔گھریلو خدام کو مثل گھر والوں کے سمجھتے، ان کی ضروریات اور دلجوئی کا خاص خیال فرماتے تھے۔

حضرت کی گھریلو زندگی کے قلم بند کرنے کے لئے کسی اہل قلم کی جنبش قلم کی ضرورت

ہے، یہ ناکارہ اس سلسلہ میں بالکل کورا ہے، لکھنے کا سلیقہ بالکل نہیں ہے، پھر بھی جو کچھ ذہن میں یاد تھا اس کو قلم برداشتہ لکھ دیا ہے، جو کچھ کمی ہوگی وہ میری جانب سے ہوگی نہ صاحب سوانح کی''۔(۱)

نماز، تلاوت اور اتباع سنت

نماز، تلاوت کلام پاک، اور اتباع سنت سے شغف مولانا کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے اور ان کی دعوتی و اصلاحی زندگی کا محور تھے، ان کی مجالس کا خاص موضوع یہ ہی ہوتا، ان کی تقریروں میں زیادہ زور انہی سے متعلق باتوں پر ہوتا، نماز کے سلسلہ میں اس حدیث شریف پر ان کا سختی سے عمل تھا کہ "صلوا کما رأیتمونی أصلی" دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے سرگرداں رہتے تھے۔ مجلس دعوۃ الحق کے تحت اپنی نگرانی میں اس کی تربیت وتعلم کا بھی نظام قائم کیا تھا جہاں لوگ نماز کی عملی مشق کے لئے آتے، اور دعوتی جذبہ کے ساتھ واپس جا کر دوسروں کو سنت والی نماز سکھاتے۔ نماز کے ساتھ وہ اذان واقامت کی تصحیح پر بھی بڑا زور دیتے تھے، اس سلسلہ میں عمومی طور پر جو لاپروائی اور بے حسی پائی جاتی ہے وہ مولانا پر بڑی گراں گزرتی تھی۔

تلاوت قرآن مجید میں مولانا کو علماً وفناً مہارت حاصل تھی، وہ ایک ماہر قاری تھے، بڑے خوش الحان تھے، انہوں نے اپنی اس صلاحیت سے دوسروں کو نفع پہونچانے کے لئے ملک وبیرون ملک میں مکاتب قرآنیہ قائم کیے، اور خود اپنے یہاں اس کا معیاری ومثالی نظام قائم کیا جہاں بعض مدارس عربیہ کے ممتاز اساتذہ بھی تصحیح قرآن پاک کے لئے آکر قیام کرتے، اور اس سلسلہ میں استفادہ کر کے اپنے وطن ومستقر واپس جاتے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی (بانی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ) لکھتے ہیں:

''قرآن پاک کی تعلیم وتربیت پر زور دیتے خاص طور پر تجوید وقرأت کا ان کے یہاں

---

(۱) تحریر مولانا محمد شعیب صاحب دام مجدہ مجاز صحبت حضرت مولانا ابرار الحق صاحب علیہ الرحمہ، مجلس دعوۃ الحق ہردوئی۔

بہت اہتمام تھا، ''اشرف المدارس'' کو بھی اس سلسلہ میں نمایاں امتیاز ومقام حاصل ہے، ان کے فیض یافتہ افراد خاص طور پر اس لب ولہجہ کا اہتمام کرتے ہیں''۔(۱)

مولانا خود بھی جہاں تشریف لے جاتے اس کی طرف توجہ دلاتے، قرآن پاک کا جو حق ہے اس کی ادائیگی، اور اس کی عظمت کا احساس کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے، اور اس کے حروف کی صحیح ادائیگی کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ اس طرح ایک ایک سنت کا بھی ثواب حاصل ہوگا، اس کی مولانا خاص طور سے نصیحت فرماتے، حفظ قرآن مجید کی اہمیت کو خوب باور کراتے اور اس طرح شوق دلاتے کہ کچھ نہیں تو روز تین آیات کے حفظ کا معمول بنالو، ۱۸ سال میں حافظ کلام الٰہی ہو جاؤ گے، اور اگر اسی راستہ میں وقت موعود آ گیا تو حافظوں میں اٹھائے جاؤ گے۔ مولانا کے اس انداز کلام کا سامعین پر اثر پڑتا، اور کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے اندر مولانا کی اس توجہ دہانی سے یہ جذبہ پیدا ہو گیا، اور انہوں نے یہ بڑا خیر حاصل کر لیا۔

جہاں تک اتباع سنت کا تعلق ہے تو خود مولانا کی زندگی اس کی آئینہ دار تھی، چھوٹی بڑی تمام سنتوں کو جس کے وہ مکلّف ہو سکتے تھے اختیار کرتے اور دوسروں کو ان پر عمل اور انھیں معلوم کرنے کی فکر کی تاکید کرتے، اس کا ایک طریقہ یہ بھی بتاتے کہ ہر نماز کے بعد یا کسی وقت بھی یہ معمول بنالیا جائے کہ ایک سنت یاد کرائی جائے گی، مثلاً وضو کی سنتیں اور نماز کی سنتیں، اسی طرح سنت کے خلاف جو کام ہیں وہ بھی بتائے جائیں، ایک ایک کر کے بھی ایسا کیا جائے گا تو بہت سی چیزیں آدمی کو معلوم ہو جائیں گی، مولانا یہ بھی فرماتے کہ یہ دور بڑی تاریکیوں اور گمراہیوں کا ہے، گناہوں سے فضا آلودہ ہے، گناہ کی تاریکی تو سنت کا نور ہی زائل کرتا ہے کہ روشنی آنے کے بعد اندھیرا باقی نہیں رہتا، تو جس قدر سنتوں کو معمول میں لایا جائے گا گناہوں کے اثرات خود ختم ہوتے جائیں گے، اس لئے ایک ایک سنت کو خود اختیار کرے اور دوسروں کے لئے ایک ایک کر کے چاہے روز ایک ہی سہی سنت کو بتائے، خاص طور سے وہ سنت جس پر عمل سماج میں نہ ہو رہا

---

(۱) ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء۔

ہواوراس سنت کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے نکل گئی ہو یا اس کا علم جاتا رہا ہواس کو ضرور زندہ کیا جائے، مولانا کا خود اس پر پوری بیدار مغزی سے عمل تھا، وہ ریلوے اسٹیشن پر ہوتے یا ہوائی اڈہ پر، موٹر پر ہوتے یا جہاز پر وہ میزبان ہوتے یا مہمان وہ مسافر ہوتے یا مقیم چلتا پھرتا مدرسہ وخانقاہ ہوتے۔ مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم (۱) آپ کی اس صفت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی کو سنتوں کے تاکیدی بیان میں امتیاز حاصل ہے، مولانا موصوف اپنے مواعظ میں سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے مختلف انداز اور اسلوب سے بڑے سوز وگداز اور خاص کیفیت کے ساتھ زور دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ روزآنہ کم از کم ایک سنت یاد کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے، دینی مدارس ومکاتب میں اس کا خاص اہتمام ہو، اس سے سنتوں کا چلن عام ہوگا۔ مولانا نے ایک دفعہ سنت کی اہمیت پر وعظ کہتے ہوئے فرمایا تھا کہ سنت کا مطلب "اکمل" ہے یعنی اس سے زیادہ کامل طریقہ اور راستہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ "اجمل" ہے یعنی اس سے زیادہ کوئی طریقہ اور راستہ جمیل، پُرکشش جاذب نظر نہیں ہوسکتا "اسہل" ہے، یعنی کوئی بھی طریقہ اور راستہ اس سے زیادہ سہولت بخش اور آسان نہیں ہوسکتا، بغیر بار، پریشانی اور وقت کے انسان کا کام طریقۂ سنت سے انجام پاتا ہے"۔ (۲)

استاذ گرامی مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کی اہم خصوصیات میں ایک تو سنت کی کامل اتباع، معمولی سنت جو مستحبات کے درجہ کی ہی کیوں نہ ہوں، اور منکر کی تردید ہیں، جب کبھی کوئی خلاف شرع وسنت بات دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے اور ان کی گفتگو کے کلمات زائد نہیں ہوتے تھے، اور نہ ہی کوئی بات فائدہ سے خالی ہوتی تھی۔ (۳)

---

(۱) بانی وناظم اول دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد (آندھرا)

(۲) تعمیر حیات شمارہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۹۵ء۔

(۳) تعمیر حیات شمارہ ۲۵ر مئی ۲۰۰۵ء

مولانا مجیب اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱) تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث وسنت کے تو وہ اس دور میں نمونہ تھے، شاید ہی ان کا کوئی عمل اس کے خلاف رہا ہو، یہی وجہ ہے کہ انھیں خلق خدا نے محی السنۃ کے لقب سے نوازا'' (۲)

ان کے اس درد وسوز کو جو سنت اور خاص طور سے نماز واذان میں اس کی فکر واہتمام کا تھا ان کے ان جملوں سے بھی سمجھا جا سکتا ہے جو ایک موقع پر انہوں نے بڑے درد وفکر سے کہے تھے:

''آج ہماری اذانیں اور نماز سنت کے موافق نہیں، اذان سنت کے موافق سننے میں نہیں آتی، سات برس ہو گئے جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں، اس مدت میں مختلف جگہوں پر گیا ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ہندوستان کے باہر بھی گیا، مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسری اذان جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں سنت کے موافق اذان ملی، یہی حال نماز کا ہے کہ نماز سنت کے مطابق نہیں، جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں نماز کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز نادر ہے، اہل علم تو پڑھتے پڑھاتے ہیں، سیکھتے سکھاتے ہیں، ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے نماز سیکھی ہے، کسی نے اگر سیکھی ہو تو بتلائے کہ ہم نے فلاں عالم سے نماز پڑھنا سیکھا ہے، میں نے اس بڑے بڑے مجمع میں جہاں اہل اسلام تھے ان سے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کس سے سیکھا ہے، کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں، قعدہ کیسے کریں؟ جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ، شادی، غمی وغیرہ میں کس طرح سنت پر عمل ہوتا ہوگا؟ پھر نکاح وطلاق تجارت، خرید وفروخت معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہوں گی''۔ (۳)

یہی جذبۂ اتباع سنت مولاناؒ کو کھانے، پینے میں بھی بے چین کر دیتا تھا۔ ایک مرتبہ کا

---

(۱) بانی وناظم اول جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ۔

(۲) ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، شمارہ جون ۲۰۰۵ء۔

(۳) ملاحظہ ہو رسالہ تعلیم الاصلاح از حضرت مرحوم۔

واقعہ ہے کہ بنگلور کے ایک بڑے سیٹھ (جناب ضیاء اللہ شریف صاحب) نے مولانا کے بنگلور کے ایک سفر میں گھر پر کھانے کی دعوت کی، مگر کھانا میز اور کرسیوں پر سجایا گیا تھا، جب حضرت شاہ صاحب تشریف لے گئے، دیکھا تو بہت ناگواری ہوئی اور پھر نیچے دسترخوان بچھانے کو کہا، جب سارے لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے تو کھانا لگانے کا حکم دیا، جب کھانا شروع کیا تو حضرت شاہ صاحب نے ضیاء اللہ شریف صاحب کو بلا کر اپنی پلیٹ میں اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اس سے ضیاء اللہ شریف صاحب کو بڑی مسرّت ہوئی، اس طرح مولانا نے ایک طرف تو ان کے یہاں ایک سنت کو زندہ کرایا، دوسری طرف ان کی دلداری کا بھی خیال رکھا۔(۱)

مزاج دانِ شریعت

امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دونوں پلّے برابر رکھتے تھے، دینی امور میں بے جا سختیاں بھی خلاف سنت سمجھتے، جتنا اللہ نے مکلّف کیا ہے اس کو پیش نظر رکھتے تھے۔

چونکہ مولانا مزاج شریعت وفقہ سے مناسبت رکھتے تھے، اس لئے اس سے ہٹ کر کی جانے والی کسی بات کو پسند نہیں کرتے تھے، اس سلسلہ میں جدہ ایئرپورٹ کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ ''مولانا اور ان کے رفقائے سفر جن میں بعض عالی مرتبت حضرات بھی تھے ایرپورٹ کے اندر تھے، نماز کا وقت آگیا، ایرپورٹ سے باہر نکلنے کا انتظار کرتے تو نماز کا وقت چلا جاتا، وہیں نماز پڑھنے کو مولانا نے کہا، مگر وہاں دیوار پر بڑی تصویر کسی شاہ کی لگی ہوئی تھی جسے ہٹانا ممکن نہیں تھا، اور دوسری جگہ نماز کے لئے جانے میں انتظامی دشواریاں تھیں، مولانا کے مریدوں میں ایک نے کہا یہاں تصویر ہے مصلّٰی دوسری طرف لے جاؤ، لوگ اس پر عمل کرنے لگے مولانا نے منع فرمایا اور کہا کہ ہم یہاں اس کے مکلّف نہیں، نماز اسی جگہ پڑھی جائے گی''۔(۲)

---

(۱) روایت مولانا محمد حسن ندوی ومولانا سہیل احمد ندوی۔

(۲) روایت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب مدظلہ۔

دوسروں کے جذبات کی رعایت اور معاملہ فہمی

نظم وضبط مولانا کا خاص امتیازی وصف تھا، ہر معاملہ میں اس کا پورالحاظ رکھتے تھے، وہ جب دوسرے سے ملتے یا معاملہ کرتے تو اس کے جذبات کا بھی خیال کرتے مگر دین وسنت کے خلاف کوئی بات دیکھتے تو پھر وہ خاموش نہ رہتے بلکہ اس کی وضاحت کردیتے، علاج ومعالجہ کا معاملہ ہوتا پھر مولانا پر ڈاکٹر یا حکیم کی ہی حکومت چلتی، ان کی ہدایات کو اس سلسلہ میں اس سے کم اہمیت نہ دی جاتی جتنی دینی واصلاحی معاملات میں مرشد ومستند عالم کی ہدایات کو اہمیت دیتے تھے۔اسی طرح سفر میں سفر کے امیر کی حکمرانی ہوتی، منزل مقصود پر پہونچنے کی شکل میں میزبان کی رائے اور جذبات کا خیال کیا جاتا۔اس طرح مولانا کے یہاں اپنی خواہش کوئی چیز نہ تھی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا اپنی خواہش ہوتی، نظم وضبط، دوسروں کے جذبات کا خیال، دوسروں کے ساتھ سلوک یہ سب اسی کے تحت کرتے تھے۔

مزاح وظرافت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مزاح اور ظرافت بھی تھی مفتی عبدالغفار ندوی رائے بریلوی اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، کہ ہم لوگ ایک بار حضرت کی خدمت میں حاضر تھے، اور حضرت مسرت اور فکرمندی سے بار بار فرماتے بھائی! سلمان فارسی کب پہونچ رہے ہیں؟ سلمان فارسی آگئے ہیں؟ پھر جب استاد محترم مولانا سید سلیمان حسینی ندوی تشریف لے آئے تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور خلاف معمول دیر تک مجلس کی اور ایسی باتیں بھی فرمائیں جس میں مزاح اور ظرافت ظاہر ہورہی تھی، اور لوگوں کے چہرے متبسم ہورہے تھے، حضرت نے ہم لوگوں کو تادیب بھی فرمائی، ہوا یہ کہ ہمارے رفقاء میں مولانا مختار ندوی اور جناب خورشید اختر صاحب تھے۔خورشید اختر صاحب ہم لوگوں میں عمر میں بڑے تھے مگر ملاقات کے وقت وہ پیچھے ہوگئے اور ہم لوگوں کو آگے کردیا جب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو حضرت نے ہاتھ پکڑ لیا اور

فرمایا کہ پہلے بچہ کہ چچا، میں نے عرض کیا کہ چچا پھر حضرت نے کچھ نصیحت فرمائی، یہ ایسا منظر تھا جو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

بڑوں کا اکرام چھوٹوں پر شفقت

بڑوں کا اکرام اور چھوٹوں پر شفقت اس میں بھی مولانا بڑے باریک بین واقع ہوئے تھے، بڑوں کے اکرام میں عمر کا، علم کا، تقویٰ وعمل کا اور جیسی بات ان کے علم میں آتی اس کا اعتبار کرتے ہوئے معاملہ کرتے، ملاقات میں اس میں بڑھے ہوئے کو فوقیت دیتے، بٹھانے اور لٹانے میں ان کے ساتھ امتیازی معاملہ کرتے، کرسی پر بٹھا لیتے اگر فرش پر ہوتے تو گاؤ تکیہ لگا دیتے، لیٹنے کے لئے چارپائی وغیرہ کا نظم کرواتے، مخاطب ہونے میں اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے، اس طرح کئی لوگ ملاقات کے لئے آتے تو اس میں علم وعمل اور عمر میں بڑھے ہوئے سے معانقہ بھی فرماتے، یوں سلام ومصافحہ ہر ایک سے کرتے، اور کبھی طیب خاطر میں سبھی سے معانقہ کرتے۔ ان باتوں کا راقم نے مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ کے ساتھ ہردوئی کے سفروں میں متعدد بار مشاہدہ کیا۔ ایک بار حضرت محی السنہ کی لکھنؤ تشریف آوری کے موقع پر ان کی قیام گاہ ڈاکٹر محمد غوث صاحب قریشی کے مکان پر(۱) میں اپنے دادا مخدومی جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب اور خاندان کے دو تین بچوں کے ساتھ حاضر ہوا، تعارف حاصل کرنے کے بعد کہ یہ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے بڑے داماد ہیں، بڑی خصوصیت واہتمام سے پیش آئے اور مولانا خود ان کی خاطر دیر تک بیٹھے رہے، اور انہی کی طرف متوجہ ومخاطب رہے، ان کو کرسی پر بٹھالا، اور پوری بشاشت کے ساتھ مولانا یہ رویہ اپنائے رہے، بچوں

---

(۱) سحر نرسنگ ہوم میں ڈاکٹر محمد غوث قریشی صاحب کے مکان پر جو تیسری منزل پر ہے حضرت والا کا قیام تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مولانا کی اہلیہ مخدومہ معروف بہ (امی جان صاحبہ بارک اللہ فی حیاتہا) بغرض علاج وہاں آئی ہوئی تھیں اور گھر کی مستورات جن میں راقم کی والدہ صاحبہ مرحومہ، خالہ صاحبہ (اہلیہ مولانا سید عبداللہ حسنی) اور اہلیہ مخدوم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی تھیں، عیادت کے لیے حاضر ہوئی تھیں اور دادا محترم نے حضرت کی زیارت کا قصد کیا تھا۔

کو کچھ دینے کو کہا، اس وقت حضرت کی خدمت میں بھائی کلیم حسن مظفرنگری تھے، انہوں نے ایک ایک بسکٹ دیا، مولانا نے فرمایا اور دو، انہوں نے ایک ایک اور دیا، مولانا نے پوچھا کتنے دیئے انہوں نے کہا کہ دو دو دیے، فرمایا نہیں! ایک ایک اور دو تا کہ طاق عدد ہو۔ (۱)

بچوں پر شفقت کا انداز مولانا کا ایک نرالا انداز ہوتا، ان سے کچھ دینی باتیں پوچھتے، صحیح جواب دینے پر شاباشی دیتے اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرتے جس سے بچہ کا دل بڑا ہو جاتا، اگر بچہ حفظ قرآن مجید کر رہا ہوتا تو پوچھتے کتنے پارے ہو گئے، اور اس میں سے کچھ سنانے کو کہتے، صحیح سنانے پر اس کی ہمت افزائی کرتے، دعا دیتے، سر پر ہاتھ پھیرتے، غلطی پر اصلاح کرتے مگر اس طرح کرتے کہ بچہ کا دل اس سے باغ باغ ہو جاتا، اگر بچوں میں کوئی خط بھیج دیتا تو اس خط کو بھی اہمیت دیتے اور اہتمام سے پڑھتے، پھر جواب بھی دیتے، زبانی کہلا دیتے یا پھر تحریری طور پر ڈاک کے ذریعہ یا قاصد کے ہاتھ ارسال کرتے۔

خورد نوازی کا راقم نے بار بار مشاہدہ کیا، ایک موقع پر حضرت والا رحمہ اللہ کسی اہم بات کی طرف علماء کو متوجہ کر رہے تھے، ۱۵-۱۶ سال کے دولڑکے مولانا کے سامنے ملے ہوئے کھڑے کان لگائے بات سن رہے تھے، مولانا پورے اطمینان سے بات کہتے رہے، اور ان لڑکوں پر یہ احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ تم سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ (۲)

ایک نیاز مند کا مکتوب اور جوابِ مکتوب

اسی طرح ایک نیاز مند نے ایک موقع پر مولانا کی گفتگو میں ایک بات ایسی سنی جو واقعہ سے ذرا مختلف محسوس ہوئی، وہاں کچھ عرض کرنے کے بجائے بذریعہ خط اپنی معروض رکھی، تو

---

(۱) بھائی کلیم حسن صاحب حضرت کے سفر و حضر کے خدمت گزار، مزاج شناس اور بامروت و اخلاق نوجوان ہیں جن سے حضرت مرحوم آخر تک بڑے مانوس اور خوش رہے۔

(۲) یہ دونوں عزیز حافظ سید محمد احمد حسنی و حافظ سید محمد امین حسنی مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ رائے بریلی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ (تقبلھما اللہ)

مولانا نے ازراہ شفقت جواب عنایت فرمایا، جس میں جہاں ایک طرف حوصلہ افزائی کا پہلو ہے اور اپنی بات سے رجوع کرنے کا اظہار ہے، وہیں دوسری طرف ایک دوسری بات پر تادیب بھی ہے اس تادیب میں بھی شفقت کا پورا پاس ولحاظ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے(۱)، مولانا کی شخصیت کے اس پہلو کو سمجھنے کے لئے یہ خط یہاں درج کیا جاتا ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

عزیز مکرم.............................زید فضلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط جوابی کارڈ ملا، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نکاح بیوگان کے سلسلہ میں حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ نے بھی عملی پیش قدمی فرمائی ہے اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کا عقد مولوی عبدالحی صاحب (۲) سے ہوا نہ کہ مولوی عبدالقیوم صاحب سے۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔ نیز آپ کے خط سے اکابر کی اصلاحی کوششوں سے متعلق آپ کی معلومات سے مسرت ہوئی۔ فقط والسلام

ابرار الحق

۱۴ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

۲۴راپریل ۲۰۰۵ء

آپ کے خط میں تاریخ عیسوی ہی درج ہے حالانکہ صلحاء کو اس کے ساتھ بلکہ اس سے قبل یا اوپر تاریخ ہجری بھی تحریر کرنا چاہیے، اس میں ثواب بھی ملتا ہے۔

والسلام

ابرار الحق

---

(۱) اپنے چھوٹوں کو ادب سکھانے کی بڑی فضیلت اسوۂ نبوی سے ملتی ہے، ایک حدیث میں آیا ہے "لأن یؤدب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع"۔

(۲) مراد مولانا عبدالحی بڑھانوی ہیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست راست تھے، مولانا عبدالقیوم صاحب بڑے جلیل القدر محدث وعالم ہوئے ان ہی کے فرزند تھے۔

ایک دوسرا مکتوب

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور خط نذر قارئین کیا جاتا ہے جو ان کی خدمت میں ایک طالب علم نے لکھا تھا اور اس میں اپنا حال عرض کرتے ہوئے علاج چاہا تھا مگر یہ خط حضرت نے جواب کے طور پر الگ سے لکھنے کے بجائے اسی عریضہ پر تحریر فرمایا ہے، حضرت مولانا کا طریقہ اس میں یہ رہا ہے کہ جس بات کا جواب انہوں نے ضروری سمجھا وہاں خط کھینچ کر کنارے ایک طرف جواب تحریر کردیا ہے، کاتب الحروف اس میں ہلکی ترمیم کرتے ہوئے ان مقامات پر جہاں انہوں نے خط کھینچا ہے، نمبر ڈال کر پہلے خط پھر جواب خط پیش کررہا ہے، جو اس طرح ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۱)

مکرمی و محترمی محی السنۃ حضرت شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۲)

مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے (۳)، ہم تمام بھی ماشاء اللہ خیریت سے ہیں (۴)، اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے (۵)۔ اور اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کی توفیق دے۔ مجھے چند دعائیں بتادیجئے جن کے پڑھنے سے امراض باطنہ، حسد، کینہ، بغض، نفرت، عداوت دور ہوجائیں، اور ان کی جگہ اچھائیاں آجائیں (۶) دل میں غلط خیالات آتے ہیں وہ ختم ہوجائیں (۷) میں کوئی نیک کام شروع کرتا ہوں، لیکن زیادہ دنوں تک اس پر چل نہیں پاتا، (۸) میرا حافظہ اچھا نہیں ہے (۹) بھول جاتا ہوں یاد کی ہوئی چیز، دعا کریئے کہ جو بھی کام کروں اس میں اخلاص ہو، اور وہ کام صرف رضائے الٰہی کے لئے ہو (۱۰)۔ دعا کریئے کہ میں ہر برائی سے شفایاب ہوجاؤں (۱۱) جماعت کا اہتمام کروں، بلکہ جماعت کو فرض سمجھوں اور دعا کریئے کہ اللہ سے قریب ہوجاؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خواب میں زیارت کا کوئی درود بتا دیجئے (۱۲) اور معاصی سے اجتناب کروں، اور اس کو غلاظت سمجھوں، دعا میں تضرّع کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی جب کہ دعا کرانے والا رو رہا ہو، لیکن میرے آنسو نہیں نکلتے، دعا بتا دیجئے۔ (۱۳)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خادم (۱۴)
خلیل احمد (حسنی)

گرامی نامہ

(۱) بسم اللہ شریف کو خطوط میں لکھنے سے اکابر کرام نے منع فرمایا ہے۔

(۲) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۳) الحمد للہ تعالیٰ طبیعت نسبۃً بہتر ہے۔

(۴) الحمد للہ۔

(۵) جزاک اللہ تعالیٰ

(۶) "ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة، انك انت الوهاب" ہر نماز کے بعد تین بار پڑھ لیا کریں، ایک دعا کا اور بھی اہتمام رکھا جائے "ربنا هب لنا من ازواجناوذرياتناقرة اعين واجعلناللمتقين اماماً"۔

(۷) یہ آنا مضر نہیں ہے، ان کے مقتضیٰ پر عمل نہ کریں۔

(۸) وجہ ان کے ترک کی کیا ہوتی ہے؟

(۹) علاج جسمانی کی ضرورت ہے، نیز ہر قسم کے گناہوں سے پرہیز کی بھی۔

(۱۰) یہ امر اختیاری ہے، آپ نیت یہی کیجئے۔

(۱۱) دعا کرتا ہوں جملہ امور کے لئے۔

(۱۲) کتاب فضائل درود کو پڑھئے، اس میں متعدد درود لکھے ہیں، اس مقصد کے لئے۔

(۱۳) رونے کی صورت بنالینا کافی ہے اگر رونا نہ آئے۔

(۱۴) طالب دعا

ابرارالحق

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

شفقت عامہ

مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی (۱) لکھتے ہیں:

''نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے سلسلہ میں یہ بات تواتر کے ساتھ لکھی ہے کہ آپ کی شفقت وعنایت کسی خاص فرد یا جماعت کے لئے مخصوص نہ تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ ہر صحابہ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ ہی سے شفقت ومحبت فرماتے ہیں، ایک حقیقی وارث ہی کی حیثیت سے یہ بات حضرت محی السنۃ کے ہر خادم کو محسوس ہوتی تھی''۔ (۲)

نظافت ونفاست

ہر چیز عمدگی اور سلیقہ سے ہو، لباس، چال ڈھال، گفتگو، کھانے پینے ہر چیز میں وہ یہ دیکھتے تھے کہ اس بات کا اس میں کتنا خیال رکھا گیا ہے، مدرسوں وغیرہ میں جاتے سیدھے مطبخ میں پہونچ جاتے غسل خانوں، اور بیت الخلاء کو جا کر دیکھنے لگتے۔ مصنف ''حیات ابرار'' نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ: ''بندیل کھنڈ کے ایک بڑے مدرسہ میں بلا اطلاع پہنچ کر سیدھے مطبخ میں داخل ہوئے، وہاں دیکھا کہ پکانے والے حضرات نیکر پہن کر روٹیاں لگا رہے ہیں، رانیں کھلی ہوئی ہیں، اہل مدرسہ پر بہت ناراض ہوئے کہ جب اس لباس میں روٹیاں پکائی جائیں گی،

---

(۱) صدر جمعیۃ شاہ ولی اللہ پھلت، مظفر نگر۔

(۲) ملاحظہ ہو''ارمغان شاہ ولی اللہ'' پھلت کا محی السنہ نمبر (۲۰۰۵ء) وحیات ابرار، صفحہ: ۲۰۹۔

اوران کوطلبہ کو کھلائیں گے تو ان کے اندر کہاں سے برکت پیدا ہوگی''؟!

مولانا اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتے تھے کہ کارخانوں میں کام کرنے والے اور مطبخ کے ملازمین اپنے انہی کپڑوں میں نماز کے لئے مسجد آجائیں جو صاف ستھرے نہ ہوں، میلے اور بدبو دار ہوں، انھیں نماز کے لئے صاف ستھرے کپڑے الگ رکھنے چاہئیں، مسجد میں حاضری کا یہ ادب بھی ہے، اور ایذائے مسلم سے بچاؤ کا سامان بھی ہے گویا اس سلسلہ میں مولانا کا اس حدیث شریف پر عمل تھا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو مسجد سے باہر جا کر درست ہوکر آ کے نماز پڑھنے کو کہا تھا۔ ان کی ''مجلس دعوۃ الحق'' ہردوئی کی طرف سے شائع کردہ ''سلیقہ'' نامی کتابچہ میں وہ حدیث اس طرح مذکور ہے:

> ''ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں ایک شخص مسجد میں آیا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس طرف اشارہ فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ جا کر اپنے سر کے بال اور داڑھی کو سنوارو، چنانچہ وہ شخص گیا، اور بالوں کو بنا اور سنوار کر آیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا'' کیا یہ زینت وآرائش اس سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی کے بال اُلجھے ہوئے ہوں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ شیطان ہے (مشکوٰۃ) (۱)

یہ ذوق نفاست وسلیقہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غایت درجہ کا نظر آتا تھا، طہارت وغیرہ میں بھی اس کا پورا خیال فرماتے، خانقاہ ومہمان خانہ میں وضو کے لئے لوٹوں کا باقاعدہ نظم رہتا، مسجد میں بھی اس کا اہتمام رکھتے، ٹونٹی سے وضو کو سلیقہ کے خلاف سمجھتے تھے، اور بقول

---

(۱) یہ حدیث امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا'' میں ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد فدخل رجل ثائر الرأس واللحية فاشار اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده ان اخرج كانه، يعنى اصلاح شعر راسه ولحيته، ففعل الرجل ثم رجع، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اليس هذا خيرمن ان ياتى احدكم ثائرالراس كانه شيطان" کتاب الشعر باب اصلاح، رقم الحدیث: ۱۷۰۹۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ''ٹونٹی سے وضو مشینی وضو ہے'' اس سے وضو صحیح دھیان سے نہیں ہو پاتا۔

قرآن مجید کے سلسلہ میں اس کو جزدان میں رکھنے کی تاکید فرماتے، اور اس جزدان کو بھی ہفتوں یونہی چھوڑا رہنا صحیح نہیں سمجھتے تھے، فرماتے کہ اپنے کپڑے تو ہفتہ میں دو تین بار دھوئے جائیں اور کلام اللہ کا کپڑا جزدان ایسے ہی چھوڑ دیا جائے۔

یہ چند مثالیں تھیں جو پیش کی گئیں مولانا کا ذوق نفاست وسلیقہ تمام ہی امور میں ظاہر ہوتا تھا، اور دوسروں کو بھی وہ اس کی ترغیب دیتے تھے۔

باطن اور ظاہر دونوں پر نگاہ

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کا باطن کے نکھار کے ساتھ ساتھ ظاہر کے بناؤ پر بڑا زور رہا کرتا تھا، وہ اپنی نجی مجلسوں میں، خانقاہ اور مدرسہ میں، سفروں اور پروگراموں، ملاقاتوں اور مراسلتوں میں اس پر خصوصیت سے زور دیتے، مدرسہ مظہرالاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ کے ایک یادگار جلسہ کے موقع پر جس میں ملت اسلامیہ ہند کے اکابر ثلاثہ اکٹھا تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی اور پھر حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ڈائس پر تھے، ان حضرات کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی بھی تھے، اور دیگر اہم شخصیات بھی تھیں، اس وقت حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے باطن کے نکھار کے ساتھ ظاہر کے بناؤ پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''ظاہر اپنے باطن کو کمال پر پہونچاتا ہے، مسلمانوں نے دین کے ظاہر کو جب سے ترک کیا ہے وہ ترقیوں سے محروم کردیئے گئے ہیں'' انہوں نے فرمایا'' آج ہماری دعائیں قبول نہیں ہورہی ہیں، اور ہمیں خود اپنے کو بدلنے کا کچھ خیال نہیں ہے۔ اور فرمایا'' اس امت کی بیماری ''گناہ'' ہے اور ''توبہ'' اس کی دوا ہے، اگر مسلمان ایک گناہ کا بھی عادی ہے، تو وہ اللہ کا ولی نہیں بن سکتا، آج نیکی کے حکم کے لئے جماعتیں کام کررہی ہیں، لیکن افسوس کہ برائیوں

کو مٹانے کے لئے کوئی منصوبہ بند کوشش دکھائی نہیں پڑتی'' آخر میں انہوں نے کہا کہ'' اپنے ظاہر کو بنانے کے لئے دو باتوں کا التزام کیجئے، ایک تو جماعت سے نماز پڑھئے، دوسرے یہ کہ اپنے چہروں کو داڑھی سے پُر نور بنایئے''۔(۱)

مردان کار کی تربیت

مردان کار کی تربیت حضرت مولانا کا خاص میدان عمل تھا، وہ بڑے جوہر شناس تھے، اس وقت ان حضرات کے ذریعہ جوان کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے بڑا دینی و علمی فیض پہونچ رہا ہے، جوان کی تربیت میں آتا اس پر وہ کڑی نگاہ رکھتے۔ بہت سی چیزوں سے چشم پوشی کرتے مگر اس کا ڈوز پہونچا دیتے، نظر انداز کرنے کی بات نہ ہوتی تو اسی وقت اس پر تنبیہ کرتے، کوئی قابل گرفت چیز معلوم ہوتی تو اس کی تحقیق کرتے، اس کے لئے ضرورت محسوس کرتے تو تحقیق کے لئے اپنے متعلقین میں سے کسی مستند شخص کو ان کے پاس بھیجتے، کبھی زیادہ وقت کے لئے ان کے پاس رکنے کو بھی کہتے، کبھی جلدی بُلا لیتے، بلا وجہ اور بغیر تحقیق کے سرزنش صحیح نہیں سمجھتے تھے، اصلاح و تربیت کے لئے آنے والوں کے لئے مطالعہ کی کتابوں کا ایک کورس دیتے، ضروری نہیں تھا کہ ہر ایک کے لئے ایک ہی کتاب کو ضروری قرار دیں، البتہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ''تسہیل قصد السبیل'' کے مطالعہ کا ضرور مشورہ دیتے، امام غزالی کی ''تبلیغ دین'' جو حکیم الامت کی ہی تحقیق کے ساتھ اردو میں شائع ہوئی ہے، اور حکیم الامت کے کبار خلفاء میں سے ایک، حضرت شاہ محمد عیسیٰ کی مرتب کردہ ''کمالات اشرفیہ'' تربیت و اصلاح کے لئے آپ کی پسندیدہ کتابیں تھیں، جو آپ کی

---

(۱) اس جلسہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ نے سب سے زیادہ زور نسلِ نو کے ایمان و عقیدہ کی فکر پر دیا تھا، جنوری ۱۹۹۶ء میں یہ جلسہ منعقد ہوا تھا، اس کے داعی ناظم مدرسہ مولانا سید محمد اسحاق حسینی ندوی تھے افسوس کہ وہ ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ، جمعہ کی شب کو جب کہ وہ تازہ تازہ سفر حج سے واپس ہوئے تھے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کے چند لمحات کے مرض وفات کا حملہ ایک تقریر کے دوران ہوا جس میں وہ توحید و سنت اور دین میں صحابہ کی اہمیت و کردار پر گفتگو فرما رہے تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وادخلہ فی جنت النعیم۔

مجلس میں بھی پڑھی جاتیں، ملک وبیرون ملک کے مختلف حصوں میں آپ کے تربیت یافتہ حضرات پھیلے، جہاں علم ودین کی اشاعت، اصلاح وتزکیہ کے عمل میں مشغول ہیں، ان میں آپ کے مجازین بیعت بھی ہیں اور مجازین صحبت بھی اور وہ بھی جنہیں دونوں اجازتوں میں سے ایک بھی حاصل نہیں مگر اعتماد ومحبت حاصل تھا، یہ تیسری قسم ہے، اس میں ہمارے سامنے ایک نمایاں نام مولانا محمد ایوب بھٹکلی ندوی صاحب کا ہے، جنہوں نے مدارس ومکاتب کا جال ملک کی مختلف ریاستوں میں پھیلا دیا ہے، ایسے ایسے دیہاتوں میں ان کے کام کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں جہاں ارتداد گھر گھر میں داخل ہو چکا تھا، کرناٹک، آندھرا، بنگال، مدھیہ پردیش ان کی توجہ کے خاص مراکز ہیں، اوران کی اس تعلیمی ودعوتی تحریک سے حضرت والا کے بعض مجازین بیعت ومجازین صحبت بھی جڑے ہوئے ہیں۔ بارك الله في حياته وأعماله۔

مجازین صحبت میں کچھ اپنا کام کر کے اپنے رب کے حضور پہونچ چکے ہیں، اور کچھ اپنے رب کی رضا کے حصول میں کوشاں اور سرگرداں ہیں، ان میں بھی بعض کو اجازت بیعت سے سرفراز کیا گیا، بیرون ملک میں انگلینڈ، بنگلا دیش، پاکستان اور سعودی عرب میں یہ لوگ اپنا فیض پہونچا رہے ہیں، ہندوستان میں اتر پردیش، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، اوراڑیسہ میں ان حضرات کی رہائش گاہیں ہیں، انہی میں ایک مولانا محمد شعیب صاحب بستوی ہیں جو مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں آئے تو بس حضرت کے ہی ہوکر رہ گئے، باوجود معذوریوں کے کام میں بڑے نشیط، اور مدرسہ کا اپنے کو ۲۴ گھنٹے کا خادم اور حضرت کا غلام سمجھنے والے بزرگ ہیں۔ اطال الله بقائه وعم نفعه۔

مجازین بیعت میں متعدد حضرات نمایاں مقام رکھتے ہیں، ۱۰۳ کی اس تعداد میں جو ملک وبیرون ملک پر مشتمل ہے حضرت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب حضرت محی السنہ کے جانشین اور سرفہرست خلفاء ہیں، کراچی کے مولانا حکیم محمد اختر صاحب وسیع حلقہ اور شہرت ومقبولیت رکھتے ہیں، ساؤتھ افریقہ میں خصوصیت سے ان کا فیض ظاہر ہورہا ہے، قاری خلیق اللہ صاحب

مکہ مکرمہ میں ہیں (۱)، مولانا عبدالرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی بھی اس فہرست میں اہمیت رکھتے ہیں، ڈاکٹر علی ملپا صاحب بھٹکل کرناٹک میں ہیں، جدہ میں مقیم حیدرآباد کے مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور احمد آباد (گجرات) کے مولانا عبدالاحد صاحب بھی ان خوش نصیب افراد میں ہیں، ایک نام مفتی شفقت اللہ صاحب کا بھی ہے جو مدرسہ اشرف المدارس کے مؤقر استاد ہیں اور مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب ہیں جو کہ مدرسہ اشرف المدارس کے شیخ الحدیث ہیں، مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری اور مولانا محمد ارشد صاحب بھی شہرت رکھتے ہیں۔ متعدد حضرات وفات پاچکے ہیں جن میں مولانا بشارت علی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بستوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، أعلیٰ اللّٰہ درجاتھم وتقبل مساعیھم (۲)

---

(۱) حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہی حاصل کردہ مکان میں اپنے حج اور عمرہ کے سفروں میں قیام فرماتے تھے محلّہ شامیہ میں حرم شریف سے متصل قیام گاہ بیت الابرار کے نام سے موسوم ہے۔

(۲) آخر میں حضرت محی السنہ نے اپنے بڑے نواسہ الحاج علیم الحق صاحب کو بھی مجاز بیعت کردیا تھا زاداللہ مجدہ ورشدہ۔

باب چہارم

رمضان المبارک کا اہتمام، حج وعمرے کے اسفار

رمضان المبارک کا اہتمام

رمضان المبارک کا اہتمام ایک ایسی سنت نبوی ہے جس کے التزام کی سبھی مشائخ وعلماء نے اپنے اپنے طور پر کوششیں کی ہیں، تزکیۂ نفس اور تربیت مریدین کا کام بھی اس میں زیادہ توجہ سے انجام دیا جاتا رہا ہے، یہ ماہ مبارک ماہ تزکیہ وتربیت ہے، ماضی قریب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے یہاں اس سلسلہ میں بڑا اہتمام پایا گیا اور آخر زمانہ میں ایسا رجوع ہوا کہ ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہونے لگ گیا، مختلف مکاتب فکر اور حلقوں کے لوگ جمع ہوتے تاکہ شیخ وقت کی خدمت میں رہ کر ماہ مبارک کے یہ دن یکسوئی سے گزار سکیں (۱)، حضرت شیخ الحدیث کے بعد حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کی خانقاہ ہردوئی میں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تکیہ رائے بریلی میں اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی ہتھورا باندہ میں اور دیوبند میں حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کی مشہور ہوئیں۔ مرکز دعوت وتبلیغ یعنی بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی کو یوں بھی ایک مرجعیت حاصل ہے، رمضان المبارک میں اس میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے یہ سلسلہ چل رہا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے بعد ان کے اخلاف کی نگرانی میں یہ کام انجام پارہا

---

(۱) اب حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ ان کے جانشین وصاحبزادۂ گرامی منزلت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہم کی سرپرستی ورہنمائی میں یہ نظام چل رہا ہے، اللہ اسے قائم ودائم رکھے (آمین) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے بعض خلفاء نے بھی اپنے اپنے علاقوں اور بعض دوسری جگہوں پر اس کا اہتمام رکھا ہے، ایک ایک کا نام لینا مشکل ہے، متعدد مشائخ ہندوستان وپاکستان میں، اور اب تو یورپ وافریقہ کے ممالک میں بھی اس کا غیر معمولی اہتمام کیا جانے لگا ہے اور بعض بعض جگہوں پر پورے ماہ کا اعتکاف کیا جاتا ہے، اور راتوں کو جاگنے کا معمول الگ۔

ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سلہٹ (آسام) میں رمضان گزارا کرتے تھے جہاں خلقت ٹوٹ پڑتی تھی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں اپنا طریقہ اور نظام تھا، اصول وضوابط کے ساتھ خواص وعوام کا ایک مجمع یہاں بھی اکٹھا ہوتا، ان کے خلفاء نے بھی اس کا اہتمام رکھا، جہاں لوگ خاص طور پر اصلاح نفس وتقرب الٰہی کے لئے جمع ہوتے، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کا نظام بھی تھانہ بھون کا ہی نظام تھا، یہ ساری خانقاہیں الحمدللہ آج بھی آباد ہیں (۱)۔

معمولات

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے تعلق سے ان کے معمولات کے سلسلہ میں جو ماہ مبارک میں رہا کرتے تھے ایک تحریر نقل کی جاتی ہے:

مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری اپنی کتاب ''تحفۂ رمضان'' میں لکھتے ہیں:

> ''محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت کے یہاں رمضان المبارک کا مہینہ خاص طور پر سالکین کی روحانی تربیت کا ہوتا تھا، رمضان المبارک کے معمولات اس طرح منظم اور مربوط تھے کہ اگر اسے تربیتی کیمپ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہوگا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سحری سے کافی پہلے بیدار ہوکر تہجد میں مشغول ہوجاتے، اس کے بعد سحری تناول فرماتے، پھر اگر وقت بچتا تو گشت فرما کر مہمانوں کی خبر گیری فرماتے، یا حسب سہولت تا اذان فجر تلاوت میں مشغول رہتے، فجر کے بعد مسجد حقی میں حسب معمول قرآن کریم کے ایک لفظ کا ترجمہ اور نماز کی عملی مشق کے بعد حضرت والا قدس سرہ کی مرتب کردہ ''ہدایات رمضان'' میں

---

(۱) رمضان کی فضیلت اور خصوصیت اور اس کے سلسلہ میں علماء امت ومشائخ کرام کا جو غیر معمولی اہتمام رہا ہے اس کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی کتاب ''فضائل رمضان'' اور ان کی ہی دوسری کتاب ''اکابر کا رمضان'' ملاحظہ ہو۔ مزید معلومات اور تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو ارکان اربعہ، مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

سے کوئی ہدایت پڑھ کر سنائی جاتی۔ اس کی بعد جانے والے حضرات سے مصافحہ فرماتے، بعدہ ۷-۸ بجے تک آرام فرماتے، ۸ بجے مناجات اور ترانے کا پروگرام ہوتا، اس کے بعد ۸:۳۰ بجے سے ۹ بجے تک تبلیغ دین اور آداب المعاشرت کی تعلیم ہوتی، پھر ۹ بجے سے ۹:۳۰ بجے تک تسہیل قصد السبیل کا درس ہوتا، اور ۹:۳۰ سے دس بجے تک اذان اور نماز کی عملی مشق کرائی جاتی، دس بجے سے گیارہ بجے تک مجلس علمی کے نام سے خاص مجلس ہوتی، جس میں بالخصوص اہل افتاء اور اساتذۂ حدیث کسی بھی علمی یا فقہی موضوع پر آپس میں مذاکرہ کرتے، پھر ۱۱ بجے سے ۱۲ بجے تک تصحیح قرآن پاک کا معمول تھا، ان مجالس میں حضرت والا حسب موقع اچانک خود بھی تشریف لے آتے، اور نگرانی فرماتے رہتے تھے، ظہر سے قبل تاکید تھی کہ سنتوں کے بعد جو بھی وقت بچے وہ تلاوت میں صرف کیا جائے، ظہر کی نماز کے بعد اولاً ۱۵-۲۰ منٹ تفسیر قرآن کا درس ہوتا، اس کے بعد سالکین اپنی اپنی قیام گاہوں پر جا کر ذکر واذکار اور تسبیحات میں مشغول رہتے، عصر کی نماز کے بعد ''دور'' کی مجلس ہوتی تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت سے دور شروع ہوتا، حضرت خود ایک آیت پڑھتے پھر سب حاضرین ایک ایک کرکے اسے دہراتے تھے، حضرت فرماتے تھے کہ حفاظ کرام تو ''دور'' کی سنت پر عمل کر لیتے ہیں، مگر عام لوگ عمل نہیں کر پاتے ان کے لئے یہ صورت تجویز کی گئی ہے، دور سے فراغت کے بعد ''کمالات اشرفیہ'' نامی کتاب پڑھی جاتی اور بیچ بیچ میں حضرت والا کچھ تشریح فرماتے جاتے تھے، افطار سے تیس منٹ قبل یہ معمولات ختم ہوجاتے پھر افطار کی تقسیم کا کام شروع ہوتا، حضرت والا قدس سرہ کبھی اس کی نگرانی فرماتے، پھر افطار سے قبل اندرون خانہ تشریف لے جاتے، اور مختصر افطار کر کے جماعت میں شرکت کے لئے مسجد میں تشریف لے آتے، اور نماز مغرب چونکہ افطار کے دس منٹ کے بعد ہوتی تھی اس لئے اس درمیان وقفہ میں حاضرین کو کچھ نصیحت بھی فرماتے تھے، مغرب کے بعد لوگ اوّابین اور انفرادی اعمال میں مشغول رہتے، تراویح میں

عرصہ تک آپ کا مسجد حقی میں سوا پارہ پڑھنے کا معمول رہا اور دعوۃ الحق سے متعلق حضرات کو بھی آپ سوا پارہ ہی پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے، پھر جب اعذار بڑھے تو مسجد حقی کے علاوہ تراویح کی جماعت مدرسہ میں بھی ہونے لگی، جن میں پانچ حفاظ ایک ایک ترویحہ میں پاؤ پاؤ پارہ سناتے تھے، بسا اوقات ترویحہ میں آپ دینی مذاکرہ بھی فرماتے تھے، آپ نے اعذار کی بنا پر اگرچہ اعتکاف کا معمول نہیں بنایا لیکن نفلی اعتکاف کا بہت اہتمام تھا، اور مہمانوں کو بھی تاکید تھی کہ وہ خاص طور پر اعتکاف نفل کا اہتمام کیا کریں، سالکین اور حاضرین کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اوسط پچاس سے سو تک حضرات مقیم رہتے تھے"۔(۱)

ہدایات

رمضان المبارک کے تعلق سے ان کی ایک اہم ہدایت یہ تھی جو انہوں نے ایک موقع پر حج کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے منیٰ میں بھی فرمائی، انہوں نے کہا کہ:

"رمضان شریف کا مہینہ کتنی خیر و برکت کا مہینہ ہے، ولی بننے کا مہینہ ہے، ایک شخص اس میں تیس روزے قاعدے سے رکھ لے، ولی بن جائے گا، جیسے بعض لوگوں کی صحت خراب ہوتی ہے وہ اپنا علاج کراتے رہتے ہیں، ان کے لئے معالج تجویز کرتا ہے کہ فلاں مقام پر چلے جاؤ وہاں جا کر رہو، تمہاری صحت بنتی چلی جائے گی، صحت ٹھیک ہو جائے گی، چنانچہ معالج کے مشورے پر عمل کرتا ہے، چند دنوں میں صحتمند ہو جاتا ہے، ایسے ہی روحانی صحت مند ہونے کے لئے رمضان شریف کا مہینہ ہے کہ اس میں آدمی ولی اللہ بن جاتا ہے"۔(۲)

رمضان المبارک جیسے جیسے قریب آتا جاتا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے سلسلہ میں امت مسلمہ کو توجہ دلانے کا خیال بڑھتا ہی جاتا، چنانچہ رمضان اور اس کے روزوں اور تراویح

---

(۱) ملخص از تحریر مفتی فہیم احمد صاحب استاذ و مفتی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی۔
(۲) حج کے خاص اور اہم حقوق، صفحہ:۱۱۔

واعتکاف سے متعلق ان کے تیار کردہ پرچہ جات شائع ہوتے اور وہ آنے جانے والوں کو تقسیم کیے جاتے، اور دوسری جگہوں پر مسجدوں، مدرسوں، اور گھروں، دکانوں کے لئے بھی دیئے جاتے تا کہ لوگ اس کی اہمیت اور مقام کو، اس کی ضروری چیزوں کو جان لیں، یہ پرچے کچھ اس طرح ہوتے:

۱۔فضائل واحکام رمضان المبارک معہ ضروری مسائل

یعنی روزہ، تراویح اور اعتکاف کے ضروری مسائل

ان میں فضائل رمضان المبارک، روزے کی تاکید، روزے کا حکم، روزے کی نیت، سحری کھانا، افطار، اور وہ باتیں جن سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے یعنی روزے میں عیب پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ باتیں جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا، وہ باتیں جن سے روزہ نہیں جاتا، وہ باتیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف اس کی قضا لازم ہوتی ہے، اور وہ باتیں جن پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آتا ہے، اور جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے، اور جن میں روزہ توڑنا درست ہے، وغیرہ متفرق احکام ایسے تراویح، مسائل تراویح، اعتکاف و مسائلِ اعتکاف اور شب قدر سے متعلق باتیں ہوتیں۔

۲۔ احکام عید الفطر اور مسائل عید، نماز عید کا طریقہ، فضائل شب عید، احکام صدقۂ فطر اس کی مقدار کیا ہو اور مصرف کہاں ہو وغیرہ۔

۳۔احکام زکوٰۃ

یہ الگ پرچہ ہوتا جس میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کو سزا، جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے وہ کس طرح کی ہیں، زکوٰۃ کا مصرف کیا اور کون ہیں، وغیرہ قابل توجہ امور کی نشاندہی۔

یہ پرچے لوگوں کی اصلاح اور معلومات کا بڑا ذریعہ بنتے، اور لوگ بسہولت دین کی اہم باتوں سے واقفیت حاصل کرلیتے، یہ ایک ایسا طریقہ تھا جسے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا، پھر اور بھی جگہوں پر یہ اختیار کیا جانے لگا، اور یہ فکر عام ہوگئی۔

حج

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

’’کسی جگہ جانے کے تین راستے ہیں، ایک طویل ہے، دوسرا مختصر ہے، تیسرا بہت ہی مختصر ہے۔ اسی طرح اللہ کے قرب خاص کے بھی تین راستے ہیں، ایک طویل ہے، دوسرا مختصر ہے، تیسرا بہت ہی مختصر ہے۔

طویل راستہ یہ ہے کہ انسان فرائض وواجبات کی پابندی کرے، طاعات کا اہتمام کرے، سنن ومستحباب پر عمل کرتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، اس کے لئے مجاہدات کرتا رہے، ایک راستہ تو یہ ہے، لیکن یہ طویل ہے۔ ایک اس سے مختصر راستہ ہے وہ رمضان شریف کے تیس روزے ہیں، کوئی شخص قاعدے سے ان کو رکھ لے ولی بن جائے گا، رمضان کے تیس روزے متقی بننے کی تیس گولیاں ہیں، ہدایت کے مطابق ان کو استعمال کرے تو فائدہ ہوگا۔ اور ایک اس سے بھی مختصر راستہ ہے، وہ حج ہے‘‘۔(۱)

حضرت مولانا کے یہاں تمام ارکان اسلام، اور سبھی فرائض وواجبات کا بڑا ہی اہتمام تھا اس کے ساتھ سنن ومستحباب اور آداب کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی توجہ دلاتے تھے، لیکن جیسا کہ انہوں نے فرمایا ولایت کا مختصر راستہ اور اللہ کے تقرب کا سہل راستہ حج ہے وہ اس پر عمل پیرا بھی تھے، انھیں اپنے رب اور اس کے شعائر سے جو عشق تھا اور اس کے حبیب نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت وفدائیت تھی وہ انھیں ہر سال ہی حجاز مقدس کے سفر پر آمادہ کرتی، کتنی بار ایسا ہوا کہ حکومتوں کے قوانین ان کے اس معمول میں جو ہر سال حج پر جانے کا انہوں نے بنالیا تھا حارج بنتے مگر آپ کے لئے راستہ نکل ہی آتا، برسوں سے آپ کا یہ معمول تھا اور آخر عمر میں آپ اس کا بھی اہتمام فرمانے لگے تھے کہ

---

(۱) رسالہ ’’حج کے خاص اور اہم حقوق‘‘ صفحہ: ۱۸۔

ساتھ میں ایک ایسا عالم بھی ہو جو مسئلے مسائل بتا سکے، چنانچہ ایک مفتی بھی ساتھ لے جانے لگے تھے، فرماتے تھے، جیسے جسم کی صحت کے لئے ڈاکٹر یا حکیم کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روح کی صحت اور دین کی حفاظت کے لئے عالم و مفتی کی ضرورت پڑتی ہے، حالانکہ مولانا ایک بڑے جلیل القدر عالم و معلم تھے مگر کمال ورع واحتیاط یہ تھی کہ عمر کے آخری مرحلہ کو دیکھتے ہوئے وہ یہ محسوس کرتے کہ اس عمر میں حافظہ کا اس طرح کام دینا ضروری نہیں جو پہلے دیتا تھا، اسی لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حجاج کرام کو بھی یہ نصیحت فرماتے کہ وہ حج جو کریں وہ مسائل کو جان کر اور حج کا طریقہ سیکھ کر کریں، مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ حج تو ایک عاشقانہ ادا ہے، اور یہی ادا اللہ کو پسند ہے۔ اپنے ایک سفر حج میں جو ۱۹۷۲ء-۱۹۷۳ء میں کیا گیا تھا، عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی منیٰ میں ساتھ ہو گیا تھا اس موقع پر آپ نے اپنے خطاب میں ان کوتاہیوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی جن سے دم واجب ہو جاتا ہے اور حج ناقص رہتا ہے، مگر علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، خاص طور سے حلق وغیرہ میں جو کوتاہی ہوتی ہے اس کی طرف دھیان دینے کو فرمایا اور اس قربان گاہ میں نوجوانوں کو بال کی قربانی دینے پر ابھارا اور فرمایا "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (سورہ آل عمران، آیت ۹۲) (۱)

حج کے سلسلہ میں اہتمام اور ذوق وشوق

حج کے سلسلہ میں مولانا کا معاملہ بڑے اہتمام اور ذوق وشوق، محبت و عشق کا تھا، اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک حج کے بعد دوسرے حج کی تیاری میں لگ جاتے تھے، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ان کا دل حج سے معلق تھا، جیسے ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار، مسجد سے آنے کے بعد مسجد جانے کا شوق، ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کی فکر اور تیاری ان کے فکر و حال سے

---

(۱) اس حج کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تذکرہ شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی" صفحہ: ۵۴، از مولانا عمار احمد صاحب الہ آبادی مہتمم مدرسہ افضل المعارف الہ آباد۔

ظاہر ہوتی تھی، وہ تقریباً ہر سال حج کو جاتے، جب حج کا زمانہ آتا، جانے والوں کے نام سننے میں آتے تو خصوصیت سے آپ کا نام ضرور سننے میں آتا، اور آپ جس اہتمام سے مناسک حج کی ادائیگی فرماتے، سفر اور قیام حرمین شریفین میں جن آداب کی رعایت فرماتے، ان کی تفصیلات آپ کے ساتھ حج کرنے والوں سے معلوم ہی ہو جایا کرتی تھیں، اس لئے اس بات کا بڑا شوق تھا کہ جب حج کے سفر کی سعادت ملے تو حضرت والا بھی حج کے سفر پر ہوں، ہماری دانست میں حضرت کا آخری سفر حج ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں ہوا تھا، ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۲ء میں حضرت کا سفر حج کا ارادہ تھا مگر طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا(۱)، حضرت سے اس موسم حج میں حج کے لئے جانے والے حضرات ملنے جاتے دعائیں اور نصیحتیں لیتے، انہی حضرات میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب بھی تھے جو اس سال حج کو جا رہے تھے اور سفر سے پہلے حضرت والا کے پاس ہردوئی حاضر ہوئے، حضرت والا نے اپنا وہ مختصر کتابچہ جو منیٰ کے ایک خطاب پر مشتمل تھا اور چند ماہ پہلے ہی طبع ہوا تھا عنایت فرمایا، اسی کی روشنی میں حج سے متعلق ان کی کچھ ہدایات درج کی جاتی ہیں:

حجاج کرام سے ایک خطاب یا منیٰ کی وصیت

اس خطاب کے جو حجاج کرام کے لئے ایک وصیت کا درجہ رکھتا ہے اہم مندرجات یہ ہیں:

"حاضری سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے، حاضری کیوں ہوئی اس پر غور کیا جائے، اور یہ کہ حج ایسی عبادت ہے کہ اس سے جو شرف ملتا ہے وہ کسی اور عمل سے حاصل نہیں ہوتا، یہاں تک کہ صرف حج کرنے والے کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب وہ حج کر کے

---

(۱) اسی زمانہ میں حج میں حضرت والا کی طبیعت شدید علیل ہوئی اور برین ہیمبرج کے نتیجہ میں انہیں داخل اسپتال ہونا پڑا، مگر اللہ کے فضل و کرم سے وہ اس تشویشناک حالت سے جلد ہی نکل آئے، اور طویل علاج و معالجہ کے بعد ان کی طبیعت پہلے ہی کی طرح بحال ہوتی نظر آنے لگی، جس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد تقریریں فرمائیں، مجالس میں گفتگو فرمائی، اصلاح و تربیت کا کام تیز کیا، تعلیم و دعوت کا کام بھی انجام دینے لگے، اور ایک خلق کو مستفید کر کے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آئے تو حکم ہے کہ اس کے گھر آنے سے پہلے پہلے اس سے ملاقات کرو، تو دعا کی گزارش کرو، اور یہ کہ جب حج کرکے آدمی لوٹتا ہے تو وہ اب ایسا ہو گیا گویا کہ آج ہی اس کی پیدائش ہوئی ہے، سارے گناہ اس کے مٹ جاتے ہیں، پھر یہ جہاں حاجی کو اتنا بڑا شرف ملا ہے تو اس کی برکت سے خود اس کو حقوق العباد کی ادائیگی اور تلافی کی توفیق مل جائے گی، حج میں مجاہدہ بھی زیادہ ہے اور قربانی بھی، اس کا شرف، اجر اور نفع بھی زیادہ ہے، یہ اللہ کے قرب خاص کا سب سے مختصر راستہ ہے، مگر کامل شرف اور مکمل نفع اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب حج کامل ہو اور باقی رہنے والا ہو، وہ یہ کہ صحیح طور پر مناسک حج ادا کیے جائیں اور کسی بھی عمل سے حج کا اظہار نہ کیا جائے۔ چند باتوں کا خصوصیت سے اہتمام کیا جائے جن میں ایک تہجد کی پابندی ہے، اس سے گناہوں سے رکنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، ذکر کی بھی توفیق ہوتی رہے۔ یہاں کا خاص ذکر تلبیہ ہے، یہ عاشقانہ ذکر ہے، اس کے علاوہ بھی اللہ کا ذکر کثرت سے رکھا جائے، ذکر کوئی سا بھی کرے ہر ایک کا نفع اور فائدہ ہوگا، یہ اعمال ایسے ہیں کہ ان کی برکت سے حج کے جو اثرات ہیں وہ باقی رہیں گے۔

یہاں کی حاضری کی برکت سے اپنی کمیوں کا احساس قابل شکر بات ہے، حج کے بعد وضع قطع اور شکل وصورت میں سنت کی اتباع کی جائے، فالتو کام اور بری عادتوں کو ترک کیا جائے، مثلاً بیڑی سگریٹ کی عادت اچھی نہیں ہے، بے پردگی سے بچا جائے، شرعی پردہ کا اہتمام کرنا چاہیے، حج میں متعدد نوعیتوں سے امتحان ہوتا ہے، عبادات مثلاً نماز اور اخلاق کا جیسے خلاف مزاج کاموں کے وقت، ایسے موقع پر یہ استحضار رہے کہ ہم اپنی تکمیل اصلاح کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں نہ کہ اصلاح کرنے کے لئے، تحمل اور ضبط ضروری ہے، بات بات میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے، حج کی مشقتیں سامنے آئیں تو اس کے منافع کا تصور کیا جائے، بے اصولی سے پورا گریز کیا جائے جیسے حجر اسود اور رمی جمار ہے، اس میں بے اصولی بڑے خطرہ کو دعوت دے دیتی ہے، اعمال حج کی حکمتوں کو سامنے رکھا جائے، شریعت نے ہماری سہولت کا جو

خیال رکھا ہے، اس کا دھیان رکھا جائے، یہاں کی تکالیف کو بیان نہ کیا جائے، اللہ نے بلایا ہے وہ جس طرح رکھے، پورے شکر کے ساتھ اس کی مہمانی میں رہے، یہ ذہن میں رکھے کہ حرمین شریفین کی بے حرمتی کرنے والوں کے لئے عبرتناک سزا ہے، اصحاب فیل کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ ہے!! حرمین شریفین کے اکرام واحترام کے خلاف جو بھی معاملہ کرے گا اس کو ذلت ورسوائی کی سزا ملے گی، دین حق اور اس کے حاملین کی مخالفت کا انجام بڑا برا ہوتا ہے، تحفظ حرمین شریفین کی سعادت بہت بڑا شرف ہے، زہے نصیب!

جو لوگ اسلام کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں ان سے دوستی کا تعلق نہ رکھا جائے، منافقین کی عادات سے بہت دور رہا جائے، نصرت الٰہی کے بنیادی اسباب ایمان وعمل صالح اور صبر وتقویٰ والی صفات ہیں، ان سے دنیا کی کامیابی بھی ملے گی اور آخرت بھی بنے گی، اور سارے معاملے ٹھیک ہو جائیں گے۔

حجاج کرام کے استقبال میں بڑا غلو ہونے لگا ہے اس کے بھی حدود ہیں، ان کا خیال رکھنا چاہیے، ہار وغیرہ ڈالنا صحیح نہیں ہے، اور حجاج کرام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایذائے مسلم سے بالکل بچے، مصافحہ وملاقات میں بھی اس کا خیال رکھے، شریعت نے تو ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ جانور کو بھی تکلیف نہ پہونچائی جائے، ایک دوسرے کی ہمدردی کی جائے، ایک دوسرے کا خیال اور آرام پہونچانے کی فکر رکھنی چاہیے، ایثار کو مدنظر رکھا جائے، اس پر اللہ کا انعام ملتا ہے، پڑوسی کا بڑا حق ہے، اس کا خیال رہے، اکرام مسلم کو عمل میں لایا جائے، جو غلطی ہو جائے اس کی تلافی کرے، کسی کی حق تلفی ہو جائے تو اس کو معاف کرائے، کھانے پینے میں خصوصیت سے حرام مال کھانے سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام رکھے۔

آخری بات یہ ہے کہ یہاں کی حاضری کی برکت سے جن طاعات کی توفیق ہوئی ان کو باقی رکھنے کی فکر رکھی جائے اسی طرح جن کوتاہیوں کا احساس ہو جائے ان کو دور کیا جائے، کمیاں تو ہر ایک میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہیں ان کی اصلاح ودرستگی کی فکر وکوشش

رکھے، گناہوں سے بچے، اس کا تقاضہ ہوتو ہمت کر کے اس کو دبائے، اس پر عمل نہ کرے، حجاج کرام اس طرح رہیں کہ ان کا عمل دوسروں کو حج نفل کی دعوت دینے والا ہو کہ حج سے انسان میں تبدیلی آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے''۔(۱)

عمرے

عمرے حج کے سفروں کے بھی ہیں اور حج کے سفروں کے علاوہ کیے جانے والے اسفار کے بھی ہیں، آخری عمرہ کا سفر وفات سے چند ماہ قبل شعبان اور رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کی تاریخوں میں اپنے بعض خدام وافراد خاندان کے ساتھ کیا، اور ایک طرح سے اس میں بھی پیروی سنت نبوی رہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وفات سے چند ماہ قبل مکہ مکرمہ کا سفر کیا تھا، اور یہی سفر حجۃ الوداع کا سفر تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سفر ''عمرۃ الوداع'' کا رہا، مدینہ طیبہ کی بھی بڑے جذب وشوق سے حاضری دی، اور پھر وطن واپسی ہوئی۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے کتنے عمرے کیے اور کتنے حج اس کی حتمی تعداد کا علم تو ہونا مشکل ہے، جہاں تک حج کا تعلق ہے اس میں مختلف روایتیں سامنے آئی ہیں، مولانا مفتی محمد فاروق صاحب نے ۳۵ حج کی روایت کو اختیار کیا ہے، حج کی مختصر تفصیل ہمیں جو سن وار پہونچی ہے وہ اس طرح ہے:

پہلا حج	۱۹۵۵ء میں
دوسرا حج	۱۹۶۲ء میں
تیسرا حج	۱۹۶۶ء میں
چوتھا حج	۱۹۷۰ء میں

(۱) تلخیص از کتاب حج کے خاص اور اہم حقوق، مطبوعہ مجلس احیائے سنت، ہردوئی۔

پھر ۱۹۷۲ء سے ۱۹۹۵ء تک مسلسل ۲۵ رحج کئے (۱)، اس کے بعد دو سال کا وقفہ رہا اور ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۱ء تک مسلسل حج کئے۔

۲۰۰۲ء میں بیمار ہو گئے بیماری کے دوران عمرہ کرنے گئے، عمرہ کا یہ سفر ۱۴۲۵ھ میں ۱۴ ر شعبان کو ہوا اور ۱۵ ر رمضان ۱۴۲۵ھ (۲۰۰۴ء) کو ہندوستان واپسی ہوئی۔

حج کے زمانہ میں ان کی فکر و توجہ کا ایک مرکز عید الاضحیٰ بھی ہوتا تھا، جس میں وہ عوام الناس کو احکام عید الاضحیٰ، مسنونات عید، مستحبات عید، مسائل عید کے علاوہ مسائل تکبیر تشریق، مسائل وفضائل قربانی کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے اور اس کے لئے اہتمام سے پرچے شائع کراتے۔

---

(۱) ۱۳۹۱ھ کا حج ۱۹۷۲ء کے آغاز میں ہوا تھا تو اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ مسلسل حج ۱۴۱۵ھ تک ۲۵ کی تعداد کو پہو نچتے ہیں۔

باب پنجم

علالت ووفات

زندگی کے آخری ایام اور خلق کا رجوع عام

احیائے سنت اور تصحیح عقیدہ کے سلسلہ میں حضرت محی السنہ نے جو تگ ودو کی اس میں ان کو شروع میں تنہا چلنا پڑا پھر کارواں بنتا گیا اور وہ میر کارواں ہو گئے، آخر میں ان کی صحت متاثر رہنے لگی، مگر صبر واستقامت کے ساتھ وہ تواصی بالحق کا کام کرتے رہے، اور ایمان وعمل صالح کے لئے صبر وبرداشت ہمت وحوصلہ کی تلقین فرماتے رہے، اپنے سلسلہ میں ان کا یہ حال رہا کہ صحت کی فکر سے کبھی غافل نہ رہے، اور اس تعلق سے معالج کو اپنا حکمراں سمجھا، ان کی ہدایات پر عمل کیا، یہ بڑی وجہ تھی کہ وہ اپنے مشن میں آخری وقت تک مستعد رہے، جب کہ صحت کے نشیب وفراز سے انھیں کئی بار گزرنا پڑا، اور اس طرح گزرنا پڑا کہ لگتا تھا اب صحت نہ ہو سکے گی مگر اللہ نے صحت دی، آخر میں فالج کے حملہ نے اہل تعلق میں مایوسی کی کیفیت پیدا کر دی تھی مگر حضرت پر کوئی مایوسی نہ تھی، اللہ نے پھر ایسی صحت دی کہ آپ تقریر بھی فرمانے لگے، مضامین بھی لکھوانے لگے، ہدایات بھی دینے لگے، سفروں کا سلسلہ بھی جاری رکھا، مگر ان سب میں احتیاط کی بالادستی قائم رہی، تین سال کے اس عرصہ میں آپ کے ذریعہ فیض اور زیادہ عام ہوا، لوگوں کا آپ کی طرف خوب رجوع ہوا، وفات سے چند ماہ قبل سعودی عرب بھی عمرہ کے لئے گئے، وہاں بھی رجوع رہا، اصلاح رسوم کے خاطر اپنے ایک نواسہ بھائی فہیم الحق صاحب کا بڑی سادگی سے نکاح پڑھایا کہ قریب ترین لوگوں کو بھی اس کا پتہ نہ چل سکا، ہمیشہ سنتوں کی تلقین وتذکرے فرماتے رہے۔

رضا بالقضاء

قاری ارشاد احمد صاحب دام ظلہ کہتے ہیں (۱):

---

(۱) قاری ارشاد احمد صاحب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور حضرت محی السنہ کے مسترشد ہیں۔

''حضرت والا کو جب برین ہیمبرج ہوا تھا، تو ہردوئی اور لکھنؤ کے علاج کے بعد بمبئی کے ایک بہت بڑے اسپتال بریچ کینڈی میں لایا گیا، ایک طویل عرصہ تک وہیں زیر علاج رہے، دوران علاج مکمل حفاظتی شعبہ (I.C.U.) میں رکھا گیا، ڈاکٹروں نے سختی سے ملاقات ومکالمت کے لئے منع کردیا تھا، جب قدرے افاقہ ہوا اور ڈاکٹروں کو اطمینان ہوا تو ہسپتال سے جانے کی اجازت دی تو حضرت کے قدیم میزبان کے یہاں سہاگ پیلس (بمبئی) لایا گیا، وہاں بھی احتیاطی تدابیر جاری تھیں، کسی کو ملاقات کا موقع نہیں ملتا تھا، لیکن احقر جب بھی حاضر ہوا تو خدام سے چونکہ کہہ رکھا تھا کہ ارشاد میاں جب بھی آئیں، تو ملاقات کے لئے ان کو بھیج دیا کرو، اسی دوران متعدد بار حاضری ہوتی رہی، ایک مرتبہ جب حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت والا کے پاس دو ڈاکٹر موجود ہیں، اور ناک میں دو نلیاں ڈالی ہوئی ہیں اور پیٹ پر بھی دونوں طرف کچھ تھیلیاں رکھی ہوئی ہیں، مجھے بھی حضرت کی تکلیف کا بہت احساس ہورہا تھا، جب ڈاکٹر فارغ ہوئے تو احقر نے سلام کرکے خیرت دریافت کی تو فرمایا ''اچھا ارشاد میاں آئے ہیں، الحمد للہ بہت اچھا ہوں، بہت اچھا ہوں، اور بصحت ہوں''، حضرت نے جس بشاشت اور انشراح کے ساتھ یہ جملے ادا فرمائے اس سے میں حیران ہوگیا، کیونکہ اس وقت شدید تکلیف کا عالم تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا رضا بالقضاء کے کیسے مظہر اتم تھے''۔

استغناء

قاری ارشاد احمد صاحب ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''اسی طرح ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت لیٹے ہوئے تھے، ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے سلام کیا (سلام کرنے میں عموماً یہ غلطی ہوجاتی ہے کہ لوگ الف لام حذف کردیتے ہیں) اس نے بھی اسی طرح سلام کیا، حضرت نے اپنے معمولی کے مطابق سلام کی تصحیح فرمائی، اس نے اصلاح کرکے دوبارہ سلام کیا، تو حضرت نے جواب مرحمت فرمایا پھر تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے حضرت کی

خدمت میں ایک بند لفافہ پیش کیا، کہ حضرت فلاں رئیس نے سلام پیش کیا ہے، اور یہ بھیجا ہے، حضرت والا نے اولاً خط سمجھ کر رکھ لیا پھر انہیں کی موجودگی میں کھول کر دیکھا تو روپے نظر آئے، حضرت نے فوراً اس لفافہ کو انہیں واپس کر دیا، فرمایا کہ بھائی میں تو آپ سے بھی زیادہ واقف نہیں ہوں اور جن صاحب نے بھیجا ہے ان کو بھی نہیں پہچانتا، لہذا آپ انہیں واپس کر دیجئے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس لفافہ میں ایک لاکھ روپئے تھے، یہ تھا حضرت کے زہد و استغناء کا عالم''!(۱)

وقت موعود کے قرب کے اشارے

حدیث میں آتا ہے" من احب لقاء الله احب الله لقاء ہ" کہ جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے۔ اہل اللہ اور ربانی علماء کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے، اور یہ شوق ایسا بڑھ جاتا ہے، جو چھلکنے لگتا ہے، جس سے اس کے آس پاس کے لوگ اور مزاج شناس حضرات یہ بھانپ لیتے ہیں کہ وہ اب اپنا کام پورا کر چکے ہیں، مشائخ اور بزرگوں کے بارے میں یہ سنتے پڑھتے آئے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ دیکھنے کو بھی مل گیا، بعد میں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب قدس سرہ کے یہاں بھی یہ چیز مشاہدہ میں آئی اور کچھ پڑھنے کو ملیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ جب سے ''برین ہیمبرج'' سے صحت یاب ہوئے تھے، مشاغل و مصروفیات میں اضافہ ہی ہو گیا تھا، معالج بہت کم گفتگو کی اجازت دیتے، تقریر کے لئے چند منٹ سے زیادہ مضر سمجھتے، مگر حضرت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ باوجود یاد دلائے جانے کے کہ اتنا وقت ہو گیا ہے وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر نہ ختم کرتے، جب وہ یہ اطمینان کر لیتے کہ وہ جو کہنا

---

(۱) یہ دونوں واقعے جو صبر و شکر تسلیم و رضا اخلاق و محبت اور زہد و استغنا میں حضرت والا کی اس کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں جو اولیاء اللہ و متبعین سنت کی شان رہی ہے، حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ کے نقل کردہ ہیں جسے انہوں نے جناب قاری ارشاد احمد صاحب کے حوالے سے اپنی کتاب ''امت کی عظیم المرتبت شخصیت'' میں درج کیے ہیں۔

چاہتے ہیں مخاطب کو وہ بات ٹھیک طرح پہونچ گئی ہے، تب بات ختم کرتے، وہ یہ چاہتے تھے کہ دین کی بات جہاں تک ہوسکے وہ پہونچادیں، ورنہ وہ دوسروں تک پہونچادے جسے پہونچ گئی ہے۔ بیعت واصلاح کا دروازہ بھی کھول دیا تھا، اس میں ان کے یہاں جو اصول وضوابط تھے، ان میں کمی کردی تھی، اس زمانۂ علالت میں کثرت سے لوگ ان سے بیعت ہوئے، اور کتنوں نے اصلاحی مکاتبت کے ذریعہ منازل سلوک طے کرنے شروع کیے، اور کتنے سند اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے، سفر بھی ہندوستان کے مختلف شہروں کے کیے اور سرسری نہیں کیے، قیام بھی کیا، اور لوگوں کو مستفید کیا، بمبئی تو سال میں دوبار، باقی بنگلور، حیدرآباد بھی قابل ذکر ہیں، شفقت ومحبت بزرگان دین کا خاصہ رہا ہے، مشائخ ومزکین نفوس کا اس میں پدری و مادری شفقت کا ہی فرق رہا ہے، حضرت والا کی شفقت ''پدری'' کہی جاتی تھی، اب مادری شفقت کہی جانے لگی تھی، جہاں تک آثار وفات کی بات ہے اس سلسلہ کے مندرجات جو ہمارے مطالعہ میں آئے اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

''اس عرصہ میں کبھی کبھی اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے جس سے احساس ہوتا کہ حضرت والا حیات مستعار کی مدت کی تکمیل کو واضح طور پر محسوس فرماچکے ہیں چنانچہ گذشتہ رمضان المبارک میں جب حضرت نے عمرہ کا آخری سفر فرمایا تو جدہ میں جن صاحب کے یہاں قیام تھا ان سے ارشاد فرمایا: ''یہ میرا آخری سفر ہے'' حضرت کا پہلی دوسری جون کو بمبئی کے سفر کا نظام تھا، وفات سے ایک ہفتہ قبل یعنی ۱۰ مئی کے آس پاس مدرسہ کے اساتذۂ حدیث کو جمع فرما کر فرمایا سات آٹھ دن میں سفر ہونے والا ہے، دن میں بھی ہوسکتا ہے، رات میں بھی، میں اپنے لئے ہر رات کو غنیمت سمجھ رہا ہوں، آپ لوگ میرے بعد کام کیسے کریں گے؟ طلبہ کے ساتھ رعایت وشفقت کا معاملہ رکھیں، پھر پورے ہفتہ ملازمین میں سے جو خدمت میں آتا اس سے بڑے تاثر کے ساتھ یہی فرماتے ''میرے بعد کیسے کام کروگے؟'' درجۂ حفظ کے اساتذہ سے فرمایا: کہ انتقال تو سب کا ہونا ہے دنیا سے سب کو جانا ہے، اگر میرا انتقال ہوجائے تو

کیا اس دن طلبہ کی چھٹی ہو جائے گی؟ نہیں اس دن بھی پڑھائی ہوگی۔ دوسرے دن بھی ہوگی"۔(۱)

آخری سفر

آخری سفر سے واپسی پر جس کے بعد پھر کوئی سفر نہیں کیا لکھنؤ اسٹیشن پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری سنت وصیت کو یاد دلایا کہ فرمار ہے تھے "الصلاۃ و ماملکت ایمانکم" نماز کا خیال رکھنا اور جن پر تمہارا اختیار ہے۔ فرمایا کہ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اجمال آ گیا، پھر دیر تک اس کی تشریح فرمائی، اس ضمن میں علماء و مصلحین کی اصلاحی کوششوں کا ذکر بھی فرمایا، نکاح بیوگان کی سنت کو زندہ کرنے کا واقعہ بھی سنایا، اور بھی کچھ ہدایات اور مشورے دیئے شفقت کا یہ حال کہ دو کم سن لڑکے (۲) قریب کان لگائے بات سن رہے تھے، انھیں پیچھے ہونے کو بھی نہیں کہا۔ اس موقع پر یہ بات دل میں کھٹکا پیدا کرنے کے لئے کافی تھی مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ اب صرف ایک دو ماہ کی بات رہ گئی ہے، ہم لوگوں کے لئے تو یہ آخری ہی ملاقات تھی، ظہر کی نماز کا وقت تھا، بات پوری کر لینے کے بعد حضرت نے نماز کے لئے کہا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب سے فرمایا کہ وہ امامت فرمائیں، انہیں کوئی عذر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی یہ ذمہ داری اپنے ایک خورد پر ڈالی، حضرت نے اسے بھی قبول کیا، یہ حضرت کی شفقت ومحبت تھی جس کا ایک بار پھر مشاہدہ ہوا، نماز کے بعد حضرت اسٹیشن سے سیدھے ہردوئی میں اپنے مستقر کو روانہ ہو گئے، پھر حضرت کا کوئی دوسرا سفر نہیں ہوا، لکھنؤ کا بھی یہ آخری سفر تھا، اسٹیشن پر مولانا محمد واضح رشید حسنی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبداللہ حسنی اور ڈاکٹر غوث صاحب بھی تھے، اور بھی حضرت کے چاہنے والے موجود تھے۔

آخری دن

طبیعت ماشاء اللہ ٹھیک تھی، مدرسہ کے استادوں و کارکنوں کو جمع کر کے نصیحتیں کیں،

(۱) ماہنامہ "مظاہر علوم" سہارن پور، شمارہ ستمبر ۲۰۰۵ء، (۲) سید محمد احمد حسنی، سید محمد امین حسنی۔

جس میں مدرسہ کے تعلق سے خیال رکھنے اور اپنے کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے تعلق سے باتیں بھی تھیں، عصر بعد حضرت کی طبیعت بدستور نہ رہی، گھر کے لوگ اور مدرسہ کے حضرات کی تشویش بڑھی، مدرسہ میں سورہ یٰس شریف کا ختم پڑھا جانے لگا، پھر باہر اطلاع آئی کہ طبیعت زیادہ خراب ہے، دعاؤں کا اور اہتمام کیا جائے، معالجین سے بھی رابطہ کیا گیا، اب اسپتال لے جانے کی ہی صورت باقی رہ گئی تھی، خون کی قے ہوئی، مگر حضرت مولانا پر مرض کی شدت کا اثر نہیں تھا لقائے رب کا شوق تھا، زبان اللہ، اللہ کہہ رہی تھی، ادھر سانسیں جو اسم ذات سے ہمیشہ مرتبط رہی تھیں اب اپنی عدد پوری کر رہی تھیں، دل کی حرکتیں جو اسم ذات کے ہمیشہ تابع رہی تھیں اب اپنا وقت پورا کر کے ٹھہر رہی تھیں، علاج کی اچھی تدبیر اختیار کرنے کے لئے حضرت کے افراد خانہ حضرت کو باہر لے آئے تھے، ادھر تدبیر کی جارہی تھیں، مگر تقدیر تدبیر پر غالب آئی، اور احیائے سنت کا اپنے وقت کا یہ داعیٔ اعظم، منکرات کے خلاف آواز لگانے والے یہ عاشق رسول، بندوں کا اللہ سے تعلق جوڑنے والا یہ بندۂ مخلص، اب اپنے رب کے حضور حاضر تھا، روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، حسن و جمال کا پیکر ربانی عالم حقانی داعی للّٰہی انسان اس ندائے حق کو لبیک کہہ چکا تھا کہ

"یَـآ اَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ" (سورۃ الفجر، آیت ۲۷ تا ۳۰)

نفس تین طرح کے ہوتے ہیں، امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ، مومن صادق کو دعوتِ رب نفس مطمئنہ کے حصول کے بعد ہی ملتی ہے، اور نفس مطمئنہ کے لئے دنیا بھی جنت ہو جاتی ہے، یہ دل کی جنت ہوتی ہے، یہ جنت واطمینان یاد الٰہی سے حاصل ہوتا ہے، جس کے متعلق فرمایا گیا "اَلَآ بِـذِكۡـرِ الـلّٰـهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ" (سورۃ الرعد، آیت:۲۸) اور اس کے بعد جو کیفیات باطنی حاصل ہوتی ہیں اس سے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا، نہ رنج وغم، نہ وحشت وڈر اسی کو ایسے ربانی وحقانی انسانوں کے تعلق سے یوں کہا گیا ہے "اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَـاءَ الـلّٰـهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ

وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ" (سورہ یونس، آیت:۶۲) مولانا کے صرف زندگی کے آخری لمحات ہی نہیں، پوری زندگی اس کی آئینہ دار تھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین رحمۃ الشھداء والصدیقین والنبیین۔

وفات کا حال

ہم نے چاہا کہ نہ ہو مگر ہوئی صبح فراق
موت کا وقت جب آتا ہے تو ٹلتا نہیں

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کی وفات کے وقت ہمارے خاص عزیز حاجی ایثار احمد صاحب کے نواسہ عزیزی محمد قاسم خاں متعلم اشرف المدارس ہردوئی وہاں موجود تھے، انہوں نے وفات کے وقت کی چشم دید روئیداد تحریر کر کے بھیجی ہے جس کو مختصراً ذیل میں نقل کر رہا ہوں:

''مغرب کی نماز کے وقت تھرما میٹر لگایا تو درجۂ حرارت ۹۸ نکلا اور مکرم جناب حکیم کلیم اللہ صاحب کی ہدایت تھی کہ اگر تھرمامیٹر میں درجۂ حرارت ۹۸ ہو تو تیمّم کرادیا کرو، چنانچہ حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق تیمّم کرادیا، اور ہم خدام نے کمرے ہی میں حضرت والا کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی، نماز محمد خالد (مدھیہ پردیش) متعلم مدرسہ اشرف المدارس نے پڑھائی، فرض نماز کے بعد دو رکعت سنت بھی ادا فرمائی اور دعوۃ الحق کے سلسلہ میں کچھ گفتگو فرمائی، اس کے بعد حضرت والا کو کھانسی آئی تو منہ سے بجائے بلغم کے خون نکلنے لگا، تو مولوی علیم الحق صاحب نے بمبئی کے ڈاکٹر سے رابطہ کر کے دوا پلائی، تھوڑی دیر کے لئے کھانسی بند ہوگئی، ہردوئی کے ڈاکٹر بھی آگئے، آپس میں مشورہ ہو رہا تھا کہ ناک سے خون آنے لگا، اور ضعف محسوس ہونے لگا، تو حضرت نے ہم خدام سے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر دم کرو، اس دوران شدید گرمی محسوس کی، یہ دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا کہ ہم لوگ یہاں کچھ نہیں کر پائیں گے، فوراً

اسپتال لے چلو، اس لئے حضرت کو گاڑی پر لٹایا گیا، احقر بھی ساتھ تھا، احقر نے حضرت والا کے منہ سے اللہ، اللہ کا ورد سنا اس کے بعد اندازہ لگایا کہ اسپتال پہونچنے سے پہلے ہی قبل نماز عشاء حضرت رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون"(۱)۔

وفات کے بعد

وفات کی خبر حضرت کے محبین، متعلقین، متوسلین پر بجلی بن کر گری، جس نے سنا دم بخود رہ گیا، تھوڑی ہی دیر میں بجلی کی ہی طرح خبر صاعقہ اثر ایک شہر سے دوسرے شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ ملک وبیرون ملک پھیل گئی، اور رات ہی رات آخری دیدار کے لئے عشاق نے پہونچنا شروع کردیا، ہنستا کھلتا، چمکتا، دمکتا چہرا۔ گویا زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ اب تک جو ہم زبان قال سے کہتے آئے تھے، یہ اسی کا صلہ اور انعام ہے، اور یہی اصل اور کل انعام نہیں ہے، یہ اس کی ایک جھلک اور ایک اثر ہے جو تمہارے رب نے تم کو اس لئے دکھادیا ہے کہ تمہیں جو ہم دین وایمان عقیدہ وسنت کے تعلق سے کہتے آئے تھے اس کی ضرورت اہمیت وافادیت کا احساس ہو، ہم تو اب گئے، رہے تم اور ہمارا یہ مشن، اس مشن کو نہ بھولنا۔

زیارت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھا تھا، نو بجے صبح کا وقت تھا، جنازہ قریب کی عیدگاہ پہونچادیا گیا، اس تاثر کے ساتھ ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

عیدگاہ میں مجمع کو سنبھالنے کے لئے مولانا سید سلمان حسینی ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے مائک سنبھالا، بار بار وہ حضرت کی یہ ادا یاد دلا رہے تھے کہ حضرت دوسروں کے اذیت وزحمت میں پڑنے سے اتنا گھبراتے تھے کہ وہ ملاقات، مصافحہ، ان سب میں نظم وترتیب کا پابند کراتے تھے، اس لئے ان کے جنازہ میں اس کا خاص طور پر اہتمام کیجئے، مجمع سنبھلا، صفیں بندھ گئیں، جانشین محی السنۃ حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب زید مجدہم نے حضرت کے ہی

---

(۱) امت کی عظیم المرتبت شخصیت، صفحہ: ۱۲-۱۳، مطبوعہ مکتبۂ دار المعارف الہ آباد۔

سب سے قدیم رفیق کارِ دعوت وتعلیم حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ(۱) سے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا، ہزاروں ہزار کے مجمع نے نماز جنازہ ادا کی، اور نمناک آنکھوں سے قریب کے ہی قبرستان میں ان کے ہی چہیتے فرزند کے قریب رکھا جہاں وہ عنفوانِ شباب میں داعی اجل کو لبیک کہنے پر رکھے گئے تھے۔ ان کے ایک محبّ ومعتقد جناب ابومحمد عشرت علی نے جو اشعار ان کی نذر کیے ہیں وہ بالکل حسب حال ہیں، ماہنامہ ''الفاروق'' (شمارہ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ) کراچی کے شکریہ کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں:

باندھ کے رخت سفر سوئے دربار چلے
جانب عقبیٰ ایک اور صاحب اسرار چلے
طے کر کے سود وزیاں کے سب مرحلے
رہا ہوئے زنداں سے سوئے گلزار چلے

---

(۱) حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب چھپرا (بہار) کے رہنے والے ہیں، والد کا نام جناب مظفر حسین صاحبؒ تھا، ابتدائی تعلیم اپنے مدرسے میں حاصل کرنے کے بعد جون پور آئے، اور مدرسہ کرامتیہ ملاٹولہ میں ابتدائی فارسی عربی اور نحو وصرف کی تعلیم حاصل کی، مدرسہ مظاہر علوم میں ۱۳۵۵ھ میں داخلہ لیا، سات برس یہاں رہ کر تعلیم حاصل کی، ۱۳۶۰ھ میں دورہ حدیث کیا، رفقائے درس میں مولانا سعید احمد خاں صاحب مکی اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ممتاز بزرگوں اور علماء میں ہوئے، بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے قائم کیا، ایک مرتبہ حضرت رائے پوری نے آپ سے پوچھا تم کتنے بھائی ہو، قاری صاحب نے عرض کیا اکیلا ہوں، فرمایا: میں تمہارا بھائی ہوں، حضرت رائے پوری کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے رجوع کیا، شیخ نے بیعت واذکار حضرت رائے پوری کے ہی قائم رکھے، رمضان ۱۳۸۵ھ میں اجازت وخلافت سے سرفراز کیا، ہردوئی میں ۱۳۶۳ھ میں تشریف لائے، درمیان میں ایک سال حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں قیام کیا، اور ہر سال حج کے لیے جانے کے علاوہ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی ہی آپ کی قیام گاہ ہے جہاں آپ صدر مدرس ہیں، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخر وقت تک نہایت معتمد رہے، متعنا اللہ والمسلمین بطول حیاتہ۔

رندوں سے روٹھ کر زاہدوں کو چھوڑ کر
جانب رفیق اعلیٰ حضرت ابرار چلے
آ ''عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں''
سوگوار ہمیں چھوڑ کر خود سرشار چلے

ایک وصیت وپیغام

برگزیدہ دینی شخصیتوں کا انتقال دنیا کے لئے ایک بڑا سانحہ ہوتا ہے، لیکن جانے والا تو چلا جاتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے وقت پر جانا ہی ہے، جنہیں وہ چھوڑ کر جارہا ہے ان کی کچھ ذمہ داریاں بنتی ہیں، یہاں اس مناسبت سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک جامع نصیحت پیش کی جاتی ہے جوانہوں نے اس قافلہ کے سامنے کی تھی جو سہارن پور سے رائے بریلی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سانحۂ وفات کی خبر سن کر آیا تھا اور ہردوئی میں حضرت کی خدمت میں بھی رک کر زیارت وملاقات کی تھی، مولانا محمد سعیدی صاحب (حال ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر علوم وقف) اوران کے رفقاء اس وفد میں تھے، حضرت والا نے ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''آپ حضرات نے اس قدر بھیانک ٹھنڈک کے موسم میں سفر فرمایا اوراس خاکسار کے یہاں تشریف لائے، تو دل چاہا ہمیں بھی آپ کے جذبات وقربانیوں کی قدر کرنی چاہیے، اصل وہ خصوصیات اور صفات ہیں اور وہ اعمال ہیں جو کسی کو بڑا بزرگ، رہنما اور شیخ بناتے ہیں، شخصیات اللہ کے جاری وساری نظام کے مطابق جاں بحق ہوجاتی ہیں، لیکن وہ اعمال وہ صفات وخصوصیات جن کو شخصیت سازی میں دخل رہتا ہے وہ باقی رہتی ہیں، متبعین کو چاہیے کہ شخصیات کے لئے رفع درجات کی دعا کریں، استغفار کریں اوران اعمال رفیعہ کو اپنانے کی امکانی کوشش کریں جن کی بدولت انہیں یہ مقام خاص ملا، فبھداھم اقتدہ کا یہی تقاضہ ہے۔

عزیزو! حضرت مولانا علی میاںؒ کے سانحۂ ارتحال کا آپ پر بہت گہرا اثر ہے، دل اس وقت نرم ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہے، اس وقت اس کیفیت سے فائدہ اٹھاؤ اور اعمال صالحہ کی طرف مسابقت کرو"۔(۱)

پسماندگان

اہلیہ، ایک صاحبزادی، داماد حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب، اور نواسے (علیم الحق میاں، فہیم الحق میاں، اور مولوی محمد انس صاحب) نواسیاں ہیں۔ حکیم صاحب جانشین، اہلیہ مخدومہ سرپرست خاندان، صاحبزادی صاحبہ، نواسے اور نواسیاں حضرت مرحوم کی یادگار۔ أبقاهم الله تعالىٰ لنصرة الدين والمسلمين۔

ایک اہم تعزیتی مکتوب

یہاں حضرت محی السنۃ کی وفات پر تعزیتی مکتوبات میں سے ایک اہم تعزیتی مکتوب پیش کیا جاتا ہے جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہے، جانشین حضرت محی السنۃ حضرت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب مدظلہ کے نام ہے، اور حضرت کے اہل خانہ کو پہونچنے والا پہلا تعزیتی مکتوب بھی۔

محبّ گرامی قدر محترم ومعظم جناب الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب زیدت مکارمہ والطافہ
جانشین محترم حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مخدوم ومطاع محی السنۃ والدین مولانا محمد ابرار الحق صاحب کی وفات کا واقعہ امت مسلمہ کے لئے بڑا خسارہ ہے، اس کی خبر سے ہم سب بے حد ملول اور غمزدہ ہیں۔ حضرت والا کی کمی کو کس قدر محسوس کیا گیا اس کی علامت جوق در جوق جمع ہوجانے والے افراد سے ظاہر ہوئی جو تشییع جنازہ کے موقع پر اکٹھا ہوئے، مجھے بھی بڑا

---

(۱) روایت مولانا محمد راشد فاروقی آئینہ مظاہر علوم "محی السنہ نمبر" صفحہ: ۱۰۷۔

تقاضہ پیدا ہوا کہ اس موقع سے ضرور حاضر ہوں لیکن آنکھ کے آپریشن کی وجہ سے کسی نے تائید نہیں کی، کہ راستہ کی خرابی اور جم غفیر کی وجہ سے تازہ آپریشن میں نقصان پہونچ سکتا تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو شفقتیں اس ناچیز پر ہوتی رہی ہیں ان کا تقاضا تھا کہ میں سب سے پہلے حاضر ہونے والوں میں سے ہوتا لیکن مجبوراً اپنے اعزہ کی شرکت پر ہی اکتفا کرنی پڑی، میں انشاء اللہ جلد ایسے طریقے سے حاضری دوں گا کہ آنکھ کی صحت کو ضرر نہ پہونچے۔ یہ عریضہ میں خود لکھنے کے بجائے لکھوا رہا ہوں کہ کم از کم تحریری عرض معروض کردوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بزرگ شخصیتوں کی آخری یادگار رہ گئے تھے، آپ میں جانے والے سب بزرگوں کی برکت جمع ہوگئی تھی، استفادہ کے لئے ہر طرف سے لوگ پہونچتے تھے، مجھے اور میرے رفقاء کو برابر اپنی تشنگی بجھانے کے لئے حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا، اور ملاقات وحصول دعا کی سعادت حاصل ہوتی تھی، اب ان کے نہ رہنے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے کس طرح اس کی تلافی ہوسکے گی یہ سمجھنا مشکل ہورہا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کا جو اعتماد عطا فرمایا ہے اور آپ ان کے بہتر جانشین ہیں آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ اور سبھی متعلقین واقرباء سے آپ کی وساطت سے بہت مخلصانہ اور قلبی تعزیت پیش ہے، کئی سال قبل جب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علالت شروع ہوئی تھی کئی بار خطرہ محسوس ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا برابر خاص فضل ہوتا رہا، یہ اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا نظام ہے حتی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا "انك ميت وانهم ميتون" (سورۃ الزمر، آیت ۳۰) تو کسی دوسرے کے لئے کیا استثناء ہوسکتا ہے، آپ حضرات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو دعائیں اور توجہات حاصل ہوئی ہیں وہ اب ان کا ایک طور سے بدل ثابت ہوں گی، اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کی گزند سے محفوظ رکھے، افراد خانہ اور سبھی متعلقین کو میرا اسلام اور خیر وعافیت اور دونوں

جہاں میں کامیابی کی تمنائیں پہونچادیں۔
حضرت قاری امیر حسن صاحب (اطال اللہ بقاءہ) کی خدمت میں بھی سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمادیں۔

والسلام
مخلص وشریک غم
محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

باب ششم

تزکیہ و اصلاح باطن

مقاصد بعثت میں تزکیہ کی اہمیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد بعثت میں تزکیہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کئے ہیں:
(۱) تلاوت آیات، (۲) تزکیہ، (۳) تعلیم کتاب وحکمت

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ (الجمعة.۲)

(وہ جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک پیغمبر انہیں میں کا، جو پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت)۔

ان اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص صفت آپ کی صفت تزکیہ ہے۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس تلاوت وتعلّم کا رنگ ان پر چڑھا دیتے ہیں، اس کتاب وتعلیم کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر ان کے قلوب وارواح کو رنگین کرتے ہوئے ان کے اعضاء وجوارح سے جاری کر دیتے ہیں، یہی صفت آپ کو دنیا کے تمام واعظین ومعلمین سے ممتاز کرتی ہے کہ آپ واعظ ومعلم کے علاوہ ''مزکّی'' بھی تھے، اور اسی لئے آپ دنیا کے سب سے کامیاب مرشد وہادی تھے، صحابہ کی حیرت انگیز روحانی ،اخلاقی، ذہنی، عملی تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا، اور اسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے''۔(۱)

خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کو آپ کی امت کے افراد نے اختیار کر کے رشد وہدایت، دعوت وتبلیغ کا کام ہر دور میں جاری

---
(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد دوم، صفحہ: ۵۴۵۔

رکھا، اس سلسلہ میں سب سے برگزیدہ اور آئیڈیل افراد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تھے، اور علیٰحدہ علیٰحدہ طور پر پوری جماعت صحابہ کے افراد ان اوصاف کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ یہ سلسلہ اپنی اپنی سطح اور صلاحیت کے اعتبار سے جاری ہے، اور امت میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ اس کی استعداد و صلاحیت عطا فرماتا ہے، انسانیت کی رہنمائی کے لئے انہیں میں سے انتخاب بھی فرماتا ہے، توبہ اور انابت سے انسان راہ راست پر پڑ جاتا ہے اور اس پر استقامت اسے منزل مقصود تک پہونچانے کا کام کرتی ہے، ان ہی خوش نصیب لوگوں میں جنھیں اللہ چاہتا ہے اس بلند مقام اور عالی مرتبت کام کے لئے چن لیتا ہے، جسے داعیانہ مصلحانہ اور معلمانہ ومزکیانہ کہا جاتا ہے، امت میں برابر دعاۃ و مصلحین اور معلمین۔ اخلاق ومزکینِ نفوس پیدا ہوتے رہے ہیں، اور ایک جماعت برابر ایسی رہی ہے جو قرآن پاک کی آیات کو صحیح طور پر پڑھ کر سناتے اور سکھاتے ہیں، دعوت وتبلیغ اسی کا جامع نام ہے، ان سب کی اپنے اپنے طور پر مکمل ضروت ہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے ان میں سے ہر کام کی اہمیت وضرورت اور افادیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”تفاضل ایک نوع میں ہوتا ہے، نہ کہ دو نوع میں، کوئی اگر سوال کرے کہ آنکھ بہتر ہے یا کان بہتر ہے، یا زبان بہتر ہے، تو جواب دیا جائے گا، کہ ہر ایک ان میں ضروری ہے، ان میں تفاضل کا سوال ہی غلط ہے، کیوں کہ یہ الگ الگ نوع ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں آنکھوں میں جو زیادہ دیکھتی ہے وہ افضل ہے، اور دونوں کانوں میں جو زیادہ سنتا ہے وہ افضل ہے، اس مثال سے اب یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ تعلیم وتبلیغ، تزکیہ میں کس کی ضرورت زیادہ ہے، یہ سوال مناسب نہیں، کیونکہ یہ انواع مختلفہ ہیں، انواع مختلفہ میں تفاضل نہیں ہوتا، لہذا ہر ایک کی ضرورت ہے تبلیغ بھی ضروری، تعلیم بھی ضروری، تزکیہ بھی ضروری“۔(۱)

دین کے یہ تین اہم شعبے ہیں، تینوں شعبے باہم مربوط ہیں، ایک شعبہ کو دوسرے شعبہ

---

(۱) مجالس ابرار، صفحہ:۴۹۴۔

سے پانی ملتا ہے، ایک شعبہ کو دوسرے شعبہ سے غذا پہونچتی ہے، اسی طرح ایک کو دوسرے سے ہوا پہونچتی ہے، جس طرح پانی، غذا اور ہوا انسان کی جسمانی صحت اور زندگی کے لئے ضروری ہیں، ٹھیک اسی طرح روحانیت کو قوت پہونچانے کے لئے اور حقیقی اور ابدی زندگی عطا کرنے کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے، یہ ضرورت ایمان وعقیدہ، علم وعمل اور اخلاص واحسان سے پوری ہوتی ہے، جس پر قبولیت وبقاء، نجات وفلاح کا دارومدار ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دین کے ان تینوں شعبوں کے حاملین اور ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''آپ (آنحضرت) صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں آپ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علیٰحدہ علیٰحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین ونائب ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، بعض کو تلاوت کتاب، اور بعض کو تعلیم حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے اور بعض جامع اوصاف ہیں، صرف تلاوت کتاب کرنے والے حفاظ وقراء ہیں، تعلیم کتاب کی خدمت انجام دینے والے علماء ظاہر ہیں، اور حکمت (۱) کی تعلیم دینے والے علماء باطن اور محققین صوفیہ ہیں، اور تزکیہ کرنے والے آپ کی امت کے وہ اہل دل اور صاحبِ حال بزرگ ہیں، جو آپ کے انفاس وانوار کے وارث وحامل ہیں۔

تزکیہ واحسان کے نتائج واثرات

انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لئے اور ان کی برکات پہونچانے کے لئے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے، جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم، یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ تعلیم ہے اور وہ تربیت۔ اور تکمیل انسانیت کے لئے دونوں کی ضرورت ہے، اعلیٰ تعلیم کے باوجود تزکیہ کی کمی اسی طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی

---

(۱) حکمت یعنی اخلاق حسنہ۔

فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے ع

زباں گو صاف ہو جاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا(۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ آگے اس کے نتائج واثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح اور دین کی خدمت میں علماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا، علماء ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور رسول ؐ کی مرضی، اس کی خوشی وناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا تو ان بزرگوں سے حقائق شرعیہ اور حکم الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق وولولہ، مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی ورقّت، روح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت واخلاص، تہذیب نفس اور طہارت اخلاق حاصل ہوئی، جن کو نصوص قرآن وحدیث میں لفظ احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے''(۲)۔

دین کے ان تینوں شعبوں کی جامعیت علماء ربانیین کو حاصل ہوتی رہی ہے ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، امیر المومنین حضرت سید احمد شہید اور ان کے سلسلہ کے علماء ومشائخ جن میں دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء، مظاہر علوم اور بعض سلفی مدارس کے فضلاء بھی ہیں یہ جامعیت حاصل تھی، جس کے انوار وبرکات دور دور پھیلے نظر آرہے ہیں، آخر دور میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب، حضرت مولانا عبد الشکور صاحب

---

(۱) سیرت سید احمد شہید، جلد دوم، صفحہ: ۵۴۷۔

(۲) سید احمد شہیدؒ، جلد دوم، صفحہ: ۵۴۷، یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حدیث شریف میں احسان سے اور قرآن کریم میں تزکیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فاروقی اور آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اس میں نمایاں شہرت رکھتے ہیں۔

محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کو بھی یہ خصوصیت وامتیاز حاصل رہا، کہ انہوں نے دین کے ان تینوں شعبوں کی جامعیت حاصل کی، انھیں ہم دعوت، تعلیم اور تزکیہ کہیں یا تلاوت آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کہیں، وہ امت محمدی کے ان برگزیدہ افراد میں سے ایک تھے جو ان مذکورہ اوصاف میں آپ کے جانشین اور دوسرے الفاظ میں وارث ونائب نبی ہوئے ہیں، یا یہ کہیں کہ اللہ نے جن سے ان اوصاف نبوت ومقاصد بعثت میں نیابت نبوت کا کام لیا ہے، کہ جو ہر زمانہ میں ہوتے رہے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، بس نبوت کا دروازہ بند ہو چکا، سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد تا قیام قیامت اب کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، اس کا جو بھی دعویٰ کرے گا وہ کذاب اور از قبیل دجال ہی ہوگا، ایسے دجالوں کی بھی پیشین گوئی کی جا چکی ہے، البتہ ولایت کا دروازہ کھلا ہے اور کھلا رہے گا، نیابت نبوت کا کام امت محمدیؐ کے ہی افراد میں سے جس سے اللہ چاہے گا لیتا رہے گا، وہ فرما چکا ہے:

"اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ" (سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۳)

سلاسل تصوف کی اہمیت

بڑے پتہ کی بات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے تحریر فرمائی ہے کہ:

''جس طرح کتاب وحکمت کی تعلیم بعد میں ایک فن اور صناعت بن گئی، اور اس کے لئے بہت سے علوم ومقدمات، کتابوں اور اساتذہ کا ایک پورا ضروری سلسلہ پیدا ہو گیا، اور دین کے خادموں نے اپنے اپنے وقت میں اس میں پوری کوشش کی اور اہل حق نے اس کو بدعات میں شمار نہیں کیا، بلکہ خدمت دین اور قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھا، اسی طرح تزکیہ بھی رفتہ رفتہ ایک فن اور صناعت ہو گیا، جس کے لئے تعلیم اور اساتذۂ فن کی ضرورت ہوئی، نیز ہر زمانہ کی صحت ومرض اور اہل زمانہ کے مزاج کے موافق، ان اطبائے امت نے قلوب وارواح کا علاج کیا، اور وقتاً فوقتاً اس ''طب

نبوی" کی تجدید کرتے رہے"۔(۱)

قرآن مجید میں ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ" (سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹)

اللہ کے راستہ میں یعنی دین کے شعبوں میں جدھر بھی انسان کا مجاہدہ وقربانی اور محنت وجفاکشی ہوگی وہاں اس میں اس کے لئے غیب سے راستے کھلیں گے، نیت، استعداد اور کوشش جیسی ہوگی ویسے احوال اور کیفیات ہوں گی، اسی طرح مقامات طے ہوتے ہیں اور انسان ترقی کے منازل ومدارج طے کرتا جاتا ہے، جیسے ایک طالب علم کو ممتاز عالم بننے کے لئے جہد مسلسل سے کام لینا پڑتا ہے، اور اگر اس کو اس کی اس محنت کا اس کے باطنی استعداد نے بھی ساتھ دیا تو پھر وہ امام فن اور حجت کا درجہ حاصل کرسکتا ہے، اور ایسی کتنی نظیریں ہیں، اسی طرح ایک داعی اور مبلغ کو ایثار وقربانی کے ساتھ تکبیر مسلسل سے کام لینا پڑتا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وہ پوری جانفشانی سے کام لیتے ہوئے گاؤں، قصبہ، شہر، گلی کوچہ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ملکوں ملکوں پھرے، اس میں جہاد کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے، فتنوں کی بیخ کنی، دشمنوں سے مقابلہ اور سخت سے سخت کھائیاں سامنے آتی ہیں، اس میں وہ اپنی صلاحیت واستعداد کے اعتبار سے مقبولیت ومرجعیت کا بلند سے بلند مرتبہ حاصل کرلیتا ہے، مقام صدیقیت کا راستہ بھی یہ ہے، اور شہداء کے زمرہ میں شمولیت بھی یہیں سے ممکن ہے، اللہ کی نصرت وتائید اور پھر توفیق الٰہی محیر العقول نتائج سامنے لاتی ہے، سلوک واحسان یعنی تزکیہ کے حصول میں انسان کا لگنا اس چیز میں لگنا ہے جس پر فلاح ونجات کی ضمانت دی گئی ہے ارشاد ربانی ہے۔"قد افلح من زکّٰھا" (سورۃ الشمس آیت:۹) جس نے نفس کی صفائی کی وہ فلاح پا گیا۔

اس راستہ میں مجاہدہ وقربانی بندہ کو رب سے قریب تر کردیتا ہے، حضوری

---

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد دوم، صفحہ: ۵۴۸۔

اور معیت کی اسے وہ دولت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ رشک ملائکہ بن جاتا ہے، سلوک واحسان میں اخلاص وتصحیح نیت کو کنجی کی حیثیت حاصل ہے، تصحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی کے لمحات نبوی طریقہ کا خیال کرتے ہوئے گزارتا ہے تو اس کی گاڑی احسان کے راستہ پر چل پڑتی ہے، اور اس کی رہنمائی صراط مستقیم پر ہونے لگتی ہے، اللہ کی یہ راہنمائی بندہ کی کوشش پر ہوتی ہے، اسی کو ایک جگہ فرمایا ہے "ویھدی الیہ من ینیب" (سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۳) اور ایک جگہ فرمایا ہے: "ویھدی الیٰ صراط مستقیم" اس کا اونچا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کی مرضی کو سامنے رکھ کر ہر کام کو انجام دے، اور اس کی ایسی عبادت کرے جیسے کہ اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر ایسا نہیں کر پا رہا ہے تو یہ تو یقین رکھے ہی کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، حدیث میں احسان کے بارے میں فرمایا گیا ہے "ان تعبداللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك" (صحیح مسلم) اسی سے وہ مطلوبہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جس کو اس طرح واضح کیا گیا "وھو معکم اینما کنتم" (سورۂ حدید، آیت:۴)

سالک طریق معرفت وطالب رضائے الٰہی کو راستہ کے جس پیچ وخم سے گزرنا پڑتا ہے اس میں اس کو ایسے اشخاص کی رہنمائی کی ضرورت ناگزیر ہوجاتی ہے جو اس کی جگہ جگہ رہنمائی کرسکیں، جیسے طالب علم کو استاد کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، اور عامۃ الناس کو داعی اور مبلغ کی ہدایات کی ضرورت پڑتی ہے، انسانوں سے طبائع اور مزاجوں کے تباین واختلاف اور صحت وقوائے جسمانی سے الگ الگ حال کی وجہ سے ایک ہی راستہ سے سب کو نہیں گزارا جاسکتا تھا جس طرح احکام شریعت میں ائمہ علم دین کو جغرافیائی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام ومسائل میں حکمت ورعایت سے کام لینا پڑا، اور فقہ اسلامی کی تدوین کا عظیم کام کرنا پڑا، اسی طرح تزکیہ کے شعبہ میں بھی اللہ نے ایسے ائمہ فن کا انتخاب کیا، جنہوں نے اس کی طرف توجہ کی اور مختلف سلاسل وجود میں آئے، جنہوں نے اس کے لئے ایک نظام مرتب کیا، جس میں خصوصیت سے ذکر کی کثرت اور اس میں بھی ایک طریقہ اور نصاب کے ذریعہ امراض روحانی کے علاج اور تقرب الٰہی کا راستہ زیادہ آسان سمجھا، دعا جو کہ "مُخُّ العبادۃ" (مغز عبادت) ہے کو بھی اہمیت دی،

اورارکان اسلام، نماز، روزہ، زکوٰۃ (صدقہ وخیرات) اورحج کے فرائض ونوافل کے ذریعہ اورشب وروز کے اوقات کا خیال کرتے ہوئے مناسب ڈھنگ سے دن گزارنے کی طرف توجہ کی، اورمراقبہ ومحاسبۂ نفس پرزوردیا کہ ایمان واحتساب کے بغیر ہرعمل بے جان ہے، جس کو جیسی استعداد کے طالبین ملے ان کی صلاحیتوں اوراستعداد کا خیال کرتے ہوئے تربیت واصلاح کا کام معلمین اخلاق ومزکین نفوس نے انجام دیا، البتہ جوسلاسل مشہوراورزیادہ مقبول ہوئے ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، اورخواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی طرف منسوب سلسلے ہیں، بعدمیں ان سلسلوں کی بھی شاخیں نکلیں اوران میں بھی مجددین ومصلحین طرق پیدا ہوئے جن میں مجددالف ثانی، حضرت امام احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ، اورامیرالمومنین حضرت سیداحمد شہیدؒ کا نام خصوصیت سے نمایاں ہے۔(۱)۔

حضرت مولانارشیداحمد صاحب محدث گنگوہی فرماتے ہیں:

''سب مشائخ طبیب امت ہیں، اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے انہوں نے طریق رکھے، سب کا مآل ایک ہے اورسب کا خلاصہ اتباع سنت ہے، بعد کو لوگوں نے بدعتیں داخل کردی تھیں ان کے مجدد حضرت سید صاحب ہوئے''۔(۲)

مولاناکرامت علی صاحب جون پوری (مصلح بنگال وآسام) لکھتے ہیں کہ:

حقیقت میں حضرت سیداحمد صاحبؒ اس زمانے کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں کوئی سمجھے یانہ سمجھے، جانے یانہ جانے، مانے یانہ مانے۔(۳)

---

(۱) حضرت مجدد صاحب کے کام ومقام کوسمجھنے کے لیے مکتوبات مجددالف ثانی کا مطالعہ مفید ہوگا، جس کا انتخاب ''تجلیات ربانی'' مولانانسیم احمد فریدیؒ کے قلم سے مکتبہ الفرقان لکھنؤ سے منظرعام پرآچکا ہے، اورحضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا چوتھا حصہ جوحضرت مجدد صاحب کے ساتھ خاص ہے دیکھیے۔

(۲) سیرت سیداحمد شہید، جلددوم، بحوالہ ارواح ثلاثہ۔

(۳) مکاشفات رحمت، صفحہ:۱۵۔

طریقۂ محمدیہ اور سلسلۂ تھانوی

''طریقۂ محمدیہ'' یہ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی (مجدد قرن ثالث عشر) کا طریقہ اصلاح وتزکیہ وبیعت وسلوک ہے، جس میں ریاضتیں، مجاہدے کم ہیں، اور نیت کا استحضار اور پیروی سنت کا خیال زیادہ ہے، یہاں تک عادات واخلاق ومعاملات کو نیت کی درستگی سے عبادت بنالیا جاتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

> آپ نے ایمان واحتساب کو مکمل سلوک بنادیا تھا، اور چاروں طرق کے ساتھ اس میں بھی بیعت لیا کرتے تھے، یہ طریقِ نبوت کا تزکیہ وتربیت تھی جس سے پوری زندگی اپنی تمام عبادات وعادات کے ساتھ خالص عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی، آپ اس کو طریقۂ محمدیہ کے نام سے موسوم فرماتے۔(۱)

وہ سلاسل ثلاثہ (نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ) میں بیعت لیتے اور اجازت وخلافت دیتے تھے (۲)، جن مشہور اور صاحب سلسلہ مشائخ کو اس میں ان کی طرف سے اجازت ملی، ان میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی بڑھانوی، مولانا ولایت علی صادق پوری، مولانا سید محمد علی رامپوری، مولانا کرامت علی جون پوری، مولانا نصیر الدین دہلوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا محمد ظاہر حسنی رائے بریلوی، مولانا جعفر علی بستوی، میانجی نور محمد جھنجھانوی اور ان

---

(۱) سیرت سید احمد شہید، جلد دوم، صفحہ: ۵۱۱۔

(۲) حضرت شیخ محمد محدث تھانوی نے انوار محمدی میں اول اپنے پیر ومرشد حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی کا سلسلہ چشتیہ صابریہ حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی کے توسط سے تحریر فرمایا ہے، پھر اس کے بعد چاروں سلاسل طریقت امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کے واسطہ سے درج کیے ہیں، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شجرات مجھے حضرت میانجی کی بارگاہ سے اجازت وخلافت حاصل ہونے پر مرحمت ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے روحانی رشتے'' از حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب، صفحہ: ۹۳۔

کے شیخ حاجی عبدالرحیم ولایتی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان میں حاجی عبدالرحیم ولایتی اوران کے مرید میانجی نور محمد جھنجھانوی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ وہ سلسلہ چشتیہ (صابریہ) میں مرتبہ عالی اور شہرت ونا موری رکھتے تھے(۱)، ان کے ہزاروں مریدین تھے، مگرانہوں نے حضرت سید صاحب سے ملاقات کے بعد اپنے سارے مریدوں کو دوبارہ حضرت سید صاحب سے بیعت کرا کران کے سلسلہ میں داخل کرایا، حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب، حضرت سید صاحب کے طریقہ کے جو اثرات محسوس کرتے تھے اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صوبہ سرحد جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور میدان کارزار میں شہید بھی ہوئے، مگران کے مرید وخلیفہ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی کو حضرت سید صاحب شہید قدس سرہ نے اجازت وخلافت دے کران کو اپنے وطن میں جا کر تعلیم وتربیت کا کام کرنے کو کہا (۲)، وہ اپنے شیخ کے تعمیل حکم میں لوہاری (مظفرنگر) آگئے، اور یکسوئی سے اپنے کام میں مشغول ہوگئے، بچوں کو پڑھانے اورعوام کو دین کی باتیں سمجھاتے کہ اللہ نے ان کی طرف اپنے ایک مخلص بندہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو بھیجا، بالغ نظر شیخ نے ایک ہی نظر میں اس طالب صادق کو تاڑ لیا، اوران کو اپنا کر معرفت حق کا جام پلانے میں لگ گئے، اللہ نے حاجی صاحب کو متعدی نسبت عطا فرمائی (۳) اوران کو جامع شریعت وطریقت اخلاف دیئے، جن سے اللہ نے اپنے اپنے وقت اپنی اپنی جگہ

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی خصوصیات اوراس کے عالمگیر فیضان پر اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ سوم میں روشنی ڈالی ہے، ملاحظہ، صفحہ: ۴۷ تا ۴۹، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور شجرہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سلاسل اربعہ از راقم۔

(۲) حضرت مولانا سید شاہ نفیس الحسینی صاحب مدظلہم کی تحقیق ہے کہ حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم ولایتی جنگ بالاکوٹ سے قبل ہی مایار کی جنگ میں شہید ہوگئے تھے یعنی ان کی شہادت کے وقت حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید حیات تھے۔

(۳) محدث جلیل حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی کراچوی سے فرماتے ہوئے راقم نے سنا ہے کہ ''اپنے وقت میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی نسبت متعدی تھی اور مشائخ کی نسبت لازمی تھی''۔

عظیم الشان کام لئے ،ان میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ،یوں بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیری کو بھی ان سے نسبت وخلافت حاصل تھی باوجود یہ کہ مولانا مونگیری ،اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ تھے (۱)،حضرت حاجی صاحب کے جن خلفاء کے ذریعہ تربیت وتزکیہ کا بڑے پیمانہ پر کام ہوا ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ان دونوں کا اور پھر ان کے خلفاء کا تربیتی نہج کچھ مختلف ضرور نظر آتا ہے، مگر دونوں کے طریقہ میں جو روح کارفرما ہے، وہ طریقۂ محمدیہ کی ہی ہے،حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی طریقۂ محمدیہ کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے اور خود اپنے مریدین کے لئے ان باتوں پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ:

''سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر بیعت لیتے تھے،اور اتباع سنت کے لئے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے،اور بدعت کے سخت ماحی ومخالف تھے''۔

سلسلۂ رائے پوری کے عظیم المرتبت شیخ حضرت سید نفیس الحسینی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت وتعلق کا پہلا اثر عقیدے کی صحت وصفائی اور توحید وسنت میں پختگی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا اور وہ اثر اکثر متعدی اور بہت طاقتور ہوا کرتا تھا،حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سہارن پور میں حضرت سید صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے ہی ایسے متاثر ہوئے کہ وہ اس کے مستقل داعی بن گئے ،......آپ نے اس زمانہ میں اپنے خلیفہ میانجی نور محمد جھنجھانوی کو جو اجازت نامہ لکھا اسکے لفظ لفظ سے یہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء از ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب (کراچی) مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی،اور کتاب ''احوال وآثار شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی'' از حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب لاہوری،مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین لاہور۔

اثر ظاہر ہوتا ہے (۱)۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی وابستگی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے ہے، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ طریقت میں وابستگی اس طرح بیان کی ہے:

میرے دادا پیر میاں جی نور محمد صاحب حضرت کے مرید تھے، اور ان کے پیر حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب بھی سید صاحب کے مرید تھے، یہ دو طریقے حضرت کے سلسلہ کے ہیں، مجھ کو سب سے زیادہ حضرت سے محبت وعقیدت ہے، میں اپنے قلب سے مجبور ہوں یہ اللہ ہی کی طرف سے کوئی بات ہے۔ (۲)

حضرت سید صاحب کے مریدین مجاز میں ایک نام میاں محمد حسین بجنوریؒ کا ہے جن سے مولانا سید عبدالحی حسنیؒ نے ملاقات کی ہے اور حضرت سید صاحب کے طریقۂ بیعت کو دریافت کیا اس پر میاں محمد حسین صاحب بجنوری نے فرمایا کہ: ''سید صاحب خطبہ پڑھتے تھے، اس کے بعد توبہ کراتے تھے اور چاروں خانوادوں (یعنی سلاسل اربعہ) کا نام لیتے تھے''۔ (۳)

سلسلۂ چشتیہ کا فیض

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں سے جو فیض پھیلا وہ محتاج بیان نہیں، اشاعت اسلام کا کام جس درجہ اس کے ذریعہ انجام پایا ہے اس میں اس سلسلہ کو دوسرے سلسلوں پر فوقیت حاصل ہے، مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں: سب سے پہلے ہندوستان میں اسی طریقہ کی اشاعت ہوئی ہے، اس طریقہ کی دو مشہور شاخیں ہیں پہلی چشتیہ نظامیہ جس کی نسبت حضرت شیخ نظام

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب ''سید احمد شہید سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے روحانی رشتے، صفحہ: ۶۶ تا ۶۹، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ بات فرماتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ دوم دیکھی جائے۔

(۲) دہلی اور اس کے اطراف، صفحہ: ۱۳۵، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، طبع ۱۹۵۸ء

(۳) بحوالہ سابق، صفحہ: ۱۶۰۔

الدین اولیاء کی طرف ہے، اور دوسرا سلسلۂ چشتیہ صابریہ ہے جس کی نسبت حضرت شیخ علاء الدین علی صابر بن احمد کی طرف ہے"(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ صابریہ کے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت وتجدید دین کا عالمگیر کام کیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک وفعال یہی سلسلہ ہے، دارالعلوم دیوبند، ومظاہر علوم کی تعلیمی فہرست اور مولانا تھانوی کی تصنیفات ومواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاس کی تحریک دعوت وتبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے"۔(۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے معاشرت اور سلوک انسانی کے میدان میں جو تجدیدی واصلاحی کام لیا اور اخلاق وآداب کے راستہ سے سلوک ومعرفت کا راستہ طے کرانے کا جس وسیع پیمانہ پر کام لیا اس سے ان کی شخصیت تاریخ اصلاح وتربیت کی ایک ممتاز شخصیت بن کر ابھرتی ہے، اور انہوں نے اپنے پیچھے جن جلیل القدر تربیت یافتہ علماء ومصلحین اور معلمین اخلاق ومزکین نفوس کو چھوڑا اور کتابوں، مواعظ وملفوظات کا جو ذخیرہ چھوڑا اس سے ان کا فیض صرف ان کے سلسلہ اور حلقہ تک محدود نہیں رہا، سبھی دینی وعلمی حلقوں اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کو اس سے صحیح اسلامی وانسانی زندگی گزارنے کے لئے راہ عمل ملنے لگا، ایک موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے فارغ ہونے والے طلبائے ندوۃ العلماء کو خطاب کرتے ہوئے ان کی کتابوں مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

---

(۱) اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، صفحہ:۲۵۳۔

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم: صفحہ۴۹۔

''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں خاص طور سے ان کے ملفوظات ومواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں، میں نے الحمدللہ ساری ندویت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے، اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں، اس سے آپ کو اپنی جاہ طلبی، حبّ مال، اور معاملات میں کوتاہی کا علم ہوگا، اور خاص طور پر اخلاق کی اصلاح، اجتماعی کاموں کی اہمیت پر ان کے یہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے یہ کام لیا ہے''۔(۱)

معاصر علماء ومشائخ میں ان کے مرتبہ ومقام کے بارے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی (بانی جماعت تبلیغ) کا یہ قول نقل فرمایا کہ:

''حضرت تھانوی مجدد تصوف وسلوک ہیں''

اور حضرت مولانا ندوی ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری'' میں لکھتے ہیں:

''معاصر مشائخ اور اہل ارشاد میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سب سے معمر اور نامور تھے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند الفاظ میں آپ کا تذکرہ کرتے تھے، ایک مرتبہ میرے سامنے فرمایا کہ: ''حضرت تھانوی تصوف کے مجدد تھے''(۲)

اور ایک واقعہ سے متاثر ہو کر یہ فرمایا:

''حضرت تھانوی میرے بھی شیخ ہیں''(۳)

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا طریقۂ اصلاح وتربیت

یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا حکیم الامت حضرت

---

(۱) ملاحظہ ہو رسالہ: ''اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے'' مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

(۲) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، صفحہ: ۳۰۵۔

(۳) ایضاً، صفحہ: ۳۰۵۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے اصلاح وبیعت کا تعلق زمانۂ طالب علمی سے ہی قائم ہوگیا تھا، یہ ان کی خصوصیت تھی جب کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مرحلہ سے گزرے تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی درخواست فرمائی تھی، حضرت گنگوہی نے طالب علم ہونے کی وجہ سے اس کے لئے انھیں قبول نہیں کیا تھا، پھر حضرت تھانوی کا حجاز مقدس کا جب سفر ہوا تو انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اور پھر اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ اس اعتبار سے وہی ان کے جانشین ہوئے جو ان کی خانقاہ تھانہ بھون میں مسند نشین ہوئے اور خلقت ان کی طرف امنڈ پڑی، جن میں خواص وعوام بھی تھے اور علماء ودانشور بھی۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے والد مولوی محمود الحق حقی صاحب ایک نامور وکیل تھے، وہ بھی حلقۂ تھانوی میں آچکے تھے، ان کی وجہ سے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی بھی وہاں آمد ورفت رہتی، مظاہر علوم کے زمانۂ طالب علمی میں وہ ان کے بغیر بھی پہونچتے رہتے، اور ان کے ہی مشوروں اور ہدایتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، فارغ ہونے سے تھوڑی مدت بعد جب وہ فتح پور میں تدریسی کام انجام دے رہے تھے، اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہو گئے، جب کہ ان کی عمر ۲۱ یا ۲۲ سال ہی رہی ہوگی، وہ حضرت حکیم الامت کے تمام خلفاء میں سب سے کم عمر خلیفہ ہوئے، اور ایسے خلیفہ ہوئے کہ وہ دوسرے تھانوی کہے جانے لگے، مزاجی، ہم آہنگی، فکری اتحاد، حجت وانقیاد کامل ایسا کہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ ''نسبت اتحادی'' کے حامل یہی ہوئے، باطنی تربیت واصلاح نفس کے کام وہ اپنے شیخ ومرشد کے اصولوں کے مطابق آخر تک پورے پابند رہے، اجازت وخلافت وسند تحسین دینے میں ان کے ہی ضابطوں کی رعایت رکھی، خلفاء بھی ان کے دائرہ تنبیہ وتادیب میں رہے، خلافت دینے کا یہ مطلب ان کے یہاں نہیں تھا کہ اب یہ آزاد ہیں۔ کبھی کبھی خلافت سلب بھی کر لیتے، دنیوی مفاد ان کے یہاں بالکل پیش نظر نہیں ہوتا تھا، صرف دینی مصالح سامنے رکھتے تھے، اس میں وہ کسی کی خوشی اور ناخوشی کی پرواہ نہیں کرتے

تھے۔ تربیت میں وہ مکاتبت پر زور دیتے تھے، خانقاہ میں بھی آنے والوں کو تاکید ہوتی کہ اپنا حال پرچہ پر لکھ کر دیں، اس کے مطابق وہ علاج تجویز کرتے، خانقاہ میں آنے والوں کے لئے ان کی جو ہدایات ہوتیں اس میں ادھر ادھر کی باتوں، غیبت، سیاسی گفتگو سے گریز کی سخت تاکید ہوتی، تربیتی امور میں وہ بدنگاہی، بدگمانی، جھوٹ، اور غیبت کو بہت ہی مضر اور روحانی ترقی کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے، جھوٹ اور غیبت کے سلسلہ میں ان کی یہ ہدایت ہوتی کہ جس سے غیبت کی ہے اس سے معافی مانگیں، اور جھوٹ کے سلسلہ میں بھی یہ تاکید ہوتی کہ جہاں جھوٹ بولا ہے وہاں جا کر یہ واضح کریں کہ جو بات ہم نے کہی تھی وہ ایسی نہیں تھی ویسی تھی۔ کبر، حسد اور ریا سے بچنے پر بھی بڑا زور دیتے، ان سے بچنے اور بچانے کو وہ اصلاح معاشرہ کے کام کا ایک جزء سمجھتے تھے، انہوں نے ان گناہوں کے نقصانات کو عوام الناس کے سامنے لانے کے لئے پرچے شائع کیے جسے وہ تقسیم کراتے، اسی طرح نماز و اذان و اقامت کی اصلاح اور تلاوت قرآن پاک کے آداب سے متعلق بھی پرچے شائع کراتے (۱)۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مدرسہ وخانقاہ دونوں کے ذمہ دار تھے، اور یہ دونوں ایک ہی احاطہ میں واقع ہیں اس لئے استفادہ کے لئے آنے والوں کو اس کی وضاحت کی تاکید فرماتے کہ بنیت اصلاح آنا ہوا ہے یا بنیت تصحیح؟ اگر بنیت تصحیح آنا ہوتا تو انھیں مدرسہ کے انتظام کے تحت رکھا جاتا، اور اگر بنیت اصلاح آمد ہوتی تو پھر خانقاہی نظام کے تحت وقت گزارنا ہوتا۔ عام لوگوں کی اصلاح کے لئے دیہات وقصبہ میں داعیوں اور مبلغوں کو بھیجتے رہتے، تاکہ ان کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو، اس کے لئے علاقائی سطح پر چھوٹے چھوٹے اصلاحی پروگرام منعقد کراتے، اور سال میں ایک بڑا پروگرام مدرسہ اشرف المدارس کے احاطہ میں ہوتا، اس طرح مولانا دعوت، تعلیم اور اصلاح وتزکیہ تینوں محاذ پر اپنا کام آخر تک جاری رکھے رہے، اور جس دن انتقال کا واقعہ پیش آیا ہے اس دن بھی اپنے ان کاموں کے سلسلہ میں کچھ ہدایتیں دیں اور مشورے کیئے۔ مریدین کی تربیت میں مولانا کے یہاں

---

(۱) یہ پرچہ جات تحفۃ الابرار کے نام سے ایک مجموعہ کی صورت میں یکجا کر کے شائع کر دیے گئے ہیں۔

اصولی نکات تھے، محرمات سے بچنے اور فرائض پر عمل کی سب سے زیادہ تاکید ہوتی، ذکر باطنی، نکھار کا موثر طریقہ ہے، صحت جتنی متحمل ہوتی اس کے حساب سے اس کی مقدار تجویز کرتے، ذکر کی وہ کیفیت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے کہ جس سے ہر کام کے کرتے وقت اللہ کا دھیان قوی ہو جائے، تلاوت کلام پاک کے اہتمام کی بڑی تاکید تھی، یونہی تلاوت نہیں، اس کے آداب اور تجوید کے اصولوں کی رعایت رکھنے کے ساتھ تاکید تھی، درود شریف، تسبیحات، ادعیۂ ماثورہ اور شب و روز کے اوقات کو صحیح ڈھنگ سے گزارنے کی تاکید ہوتی، اور صحیح نظام پر لانے کی کوشش ہوتی، تاکہ حقوق اللہ میں بھی کوتاہی نہ ہونے پائے اور حقوق العباد بھی ادا ہوں۔ والدین کے حقوق پر بڑا زور تھا فرماتے تھے، ان کے چودہ حقوق ہیں، سات حق زندگی میں، سات حق وفات کے بعد۔ سنت کی پیروی کو تمام امور میں اختیار کرنے کو از حد تاکید فرماتے، اور زندگی کا جو ایک نظام ہے اس کو نیت کی درستگی اور سنت کے اتباع کے خیال سے مؤثر اور نافع بنانے کو کہتے، اس میں ان کا طریقہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ ''محمدیہ'' سے مطابقت رکھتا ہے جس کی خصوصیت ایمان واحتساب رہی ہے، جو پورے نظام زندگی کی روح ہے، جس کی خصوصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''زندگی کے تمام اعمال واشغال میں صرف رضائے الٰہی کی طلب، نیت کا استحضار ہو اور وہ موعود اجر وثواب کی طمع میں انجام پائیں''۔ اور خود بانی طریقہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس طریقہ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''ہم طریقۂ محمدیہ کے اشغال کی تعلیم اس طرح کرتے ہیں کہ کھانا اس نیت سے کھایا جائے، کپڑا اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، سونے کی نیت یہ ہونی چاہیے، زراعت، تجارت، ملازمت کی نیت یہ ہونی چاہیے، اس طریقہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری ہے۔ (۱) چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا: ''سنت کے مطابق کام کرنے سے ہماری طبعی حاجات بھی عبادت بن

---

(۱) ملاحظہ ہو رسالہ ''سلاسل اربعہ'' از راقم۔

جاتی ہیں، جیسے کہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، استنجا کرنا، یہ انسان کی ضروری حاجتیں ہیں، اور طبعی حاجتیں ہیں، مگر سنت کے موافق ان کاموں کو انجام دینے سے یہ سب عبادت بن جاتی ہیں"۔(۱)

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے نظام اصلاح وتربیت میں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ اسی طرح نظام زندگی کو درست کرنے کو اولیت دیتے تھے کہ پوری زندگی اپنی تمام عبادات وعادات کے ساتھ خالص عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جائے۔

وہ اسی لئے بیعت وغیرہ کو ضروری نہیں قرار دیتے تھے، اصلاح وتزکیہ کو ضروری قرار دیتے تھے، رسمی بیعت کو وہ پسند نہیں کرتے کہ کچھ ماننا اور کرنا نہ پڑے، محض برکت اور شہرت مقصود ہو، اس کے بعد کچھ پابندیاں، اور ذمہ داریاں آئیں گی ان کو نباہنا پڑے گا، زندگی دین وایمان کے مطابق گزارنی پڑے گی، وہ بیعت کے طالب کا ایک طریقہ سے امتحان لے لیتے، اس کی کیفیت وحال کے مطابق کبھی تو ایک ہی درخواست میں قبول کر لیتے، کبھی اپنے کسی خلیفہ کی طرف محول کر دیتے، یا کسی شیخ طریقت کی طرف رجوع کرنے کو کہتے، اور کبھی یہ فرماتے کہ ابھی اصلاحی تعلق رکھیں۔ اس میں ایک پہلو یہ بھی ہوتا کہ اتنے میں مناسبت بھی پیدا ہو جائے گی، ان کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی جلد بازی نہیں تھی، انسان کو صحیح رخ پر لانے اور انسانی صلاحیتوں کا صحیح رخ پر لگانا ان کا مشن تھا۔ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ: "تربیت اور اصلاح کے لئے صرف بزرگی کافی نہیں بلکہ اصلاح کے فن سے واقفیت بھی ضروری ہے اسی سبب سے ہر صالح مصلح نہیں ہوتا"۔

ان کے یہاں معمولات میں کچھ انفرادی معمولات تھے، جو لوگوں کی استعداد کے مطابق الگ الگ تجویز کیے جاتے، کچھ مسجد کے معمولات تھے جو ہر نماز کے بعد الگ الگ ہوتے، اس میں مسجد کے سبھی لوگوں کے نفع کا سامان ہوتا، کچھ مدرسہ کے معمولات ہوتے، اس میں مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ شریک ہوتے (۲)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو "حیات ابرار" صفحہ: ۳۱۴، از مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی۔

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حیات ابرار، مؤلفہ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی۔

عمومی اصلاح کے لئے ان کا الگ طریقہ کار ہوتا، خصوصی اصلاح یعنی جو لوگ ضابطہ سے رابطہ رکھتے ان کے لئے الگ طریقہ کار ہوتا، ایک بہت بڑی تعداد ان کے طریقہ اصلاح وتربیت اور نظام صلاح وارشاد سے مستفید ہوتی، اور اس سے اب دوسروں کو نفع پہونچ رہا ہے، اللھم زدفزد، ایک بات وہ عمومی طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ کی محبت وخشیت کا کیا طریقہ ہے اہل محبت وخشیت سے تعلق، اور ان کی صحبت میں آنا جانا حق تعالیٰ کے احسانات کا سوچنا، کم از کم سو مرتبہ درود شریف، اور سو مرتبہ کلمہ شریف اور تلاوت مع الصحت کا اہتمام اور یہ کہ جو کریں اہل علم سے دریافت کرلیں یا معتبر کتابوں سے معلوم کرلیں''۔

بیعت اور توبہ کرانے کا طریقہ

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیعت کا طریقہ بھی یہاں درج کیا جاتا ہے، راقم سطور کو اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب بیجاپوری کی تحریر زیادہ جامع نظر آئی جو ان کی زیر تالیف کتاب بلکہ خودنوشت حالات زندگی ''توفیق ایزدی'' سے لے کر پیش خدمت کی جارہی ہے۔ موصوف پہلے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا ابرارالحق صاحب سے تجدید بیعت کی تھی اور اب ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ سے ہے اور ان کے مجاز بھی ہیں۔

''حضرت والا کے حکم سے آپ کے لیے کرسی دروازے سے لگا کر رکھی گئی، ادھر کمرے میں چند خواتین بھی بیعت کے لیے تشریف لائیں تھیں، حضرت کو اٹھا کر کرسی پر بٹھایا گیا، بے انتہا کمزوری اور نقاہت تھی، چہرے پر اضمحلال اور تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے، حضرت نے بعد حمد وصلوٰۃ کے ارشاد فرمایا: جناب......کی اہلیہ نے بیعت کی درخواست کی تھی ان کے لیے یہ مجلس منعقد کی گئی، مگر وہ علالت کے باعث حاضر نہ ہوسکیں آپ سب کے افادہ کے لیے اس مجلس کو منعقد کیا جارہا ہے۔

بیعت کیا ہے؟

بیعت ایک قول وقرار اور ایک وعدہ ہے، پہلے آپ ایک غلط کام کرتے تھے تو ایک ہی نگاہ ہوتا تھا، پانچ غلط کام کرتے تھے تو پانچ گناہ ہوتے مگر اب پانچ غلط کام کریں گے تو دس گناہ ہوتے ہیں، پانچ تو غلط کام کرنے کے، پانچ وعدہ خلافی کے، بیعت سارے گناہوں کو چھوڑنے اور اپنی پوری زندگی سنت کے مطابق بنانے کا عہد ووعدہ ہے، ایک معمر بزرگ بیعت کے لیے ہمارے پاس آئے ان کی شرعی داڑھی نہیں تھی ہم نے انہیں واپس کرنے کا ارادہ کیا، تو انہوں نے شرعی داڑھی رکھنے کا وعدہ کرلیا، اس کے بعد ہم نے ہر ایک سے تحریری درخواست کے بعد بیعت لینے کا اصول بنالیا''۔

اس کے بعد شرعی داڑھی، شرعی پردہ، غیبت، نماز کے اہتمام، اذان اور قرأت کی غلطیوں کے تعلق سے کچھ باتیں وضاحت سے ارشاد فرمائیں، کثرت ذکر کے تعلق سے فرمایا، کثرت ذکر کی کم از کم تعداد ۳۰۰ مرتبہ ہے۔ آگے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں (فرمایا): جو بھی کام ہو مفتی صاحب پوچھ کر کیا کریں، دین کے ماہر کو مفتی کہتے ہیں، اپنے طور پر یا لوگوں کو دیکھ کر نہ کیا کریں، ہر کام کے لیے ماہرین ہیں، ہر مرض کے لیے ماہرین ہیں، انہیں کی طرف اس مرض میں رجوع کیا جاتا ہے، اس لیے دینی مسائل میں بھی کیا کرنا چاہئے، کیسے کرنا چاہئے، مفتی صاحب سے پوچھ کر ہی کیا کریں۔

خطبہ مسنونہ

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهدى الله فلامضل له ومن يضلله فلاهادى له، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله، امابعد!فقال الله تبارك وتعالىٰ اعوذ بالله من الشيطان الرجيم،

بسم الله الرحمن الرحیم یٰایها الذین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون، ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله یدا الله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه، ومن اوفیٰ بما عاهدالله فسیؤتیه اجراً عظیماً۔

بیعت ہاتھ میں ہاتھ لے کر بھی کی جاسکتی ہے اور زبانی بھی کی جاسکتی ہے لوگ زیادہ ہیں اس لیے ہر ایک ہاتھ میں ہاتھ لینا مشکل ہے اس لیے زبانی لی جاسکتی ہے۔

ہم توبہ کرتے ہیں، کفر سے، شرک سے اور سارے گناہوں سے، بدعت سے، اور تمام غیر شرعی باتوں اور کاموں سے پانچ وقت کی نمازیں تکبیر تحریمہ سے پڑھوں گا، صاحب نصاب ہونے پر زکوٰۃ ادا کروں گا، اور استطاعت ہونے پر حج ادا کروں گا، کوئی گناہ ہو جائے گا تو توبہ کروں گا، اور شرعی تلافی کروں گا، ہم بیعت کرتے ہیں چاروں سلسلوں میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، اور سہروردیہ، اے اللہ چاروں سلسلوں کی برکت ہم کو عطا فرما، ان بزرگوں کے ساتھ محشر میں ہم کو جمع کر، اور جنت میں ان کے ساتھ ملادے۔

سلاسل کا مقصد

چاروں سلسلوں میں اصلاح کے طریقے کچھ الگ ہیں، مگر مقصد ایک ہی ہے تمام گناہ چھوٹ جائیں، اور پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو جائے، جو لوگ بیعت ہوئے ہیں، وہ حضرت تھانویؒ کی کتاب ''جزاء الاعمال'' اور ''حقوق الاسلام'' کا ضرور مطالعہ کریں اور اس کے مطابق عمل کریں، اللہ تعالیٰ کہنے والے کو، سننے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے''۔

باب ہفتم
امتیازات وخصوصیات

عالی ہمت و بلند حوصلہ انسان

مولانا سید محمد الحسنی مرحوم مصنف ''تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی'' لکھتے ہیں:

''نفس پرستی اور شکم پرستی اور اس کے نتیجہ میں مادیت وحیوانیت کی تاریک گھٹاؤں نے جب کبھی کسی ملک اور معاشرہ یا کسی آبادی اور قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اس وقت اللہ کے مخلص ومقبول بندوں اور عالی ہمت و بلند حوصلہ انسانوں نے دنیا کے رواج ودستور کے خلاف ایک ایسے طرز زندگی اور ایسی سطح کا نمونہ پیش کیا جس میں خزف ریزوں اور ٹھیکروں اور روپیوں اور اشرفیوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا تھا، اور شاہ وگدا سب برابر ہوگئے تھے، اور ان کے ساتھ جوروپہ اور برتاؤ تھا، وہ صرف اللہ کے حکم، شریعت کے فیصلے اور سنت نبوی کی روشنی ورہنمائی میں تھا، انسانیت کے ان اعلیٰ نمونوں نے (جو اس زمین کی برکت اور پوری انسانیت کی قابل فخر دولت ہیں) اس نفس پرستی اور شکم کی بالا دستی اور حکمرانی پر ہمیشہ سخت ضرب لگائی اور یہ بتایا کہ کام ودہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تکمیل سے بڑھ کر ایک اور لذت ہے، جس کا مزہ چکھنے کے بعد آدمی ان حقیر اور فانی لذتوں کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتا، البتہ اس کا مزا چکھنے سے پہلے کچھ قربانی، ایثار، اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے''۔(۱)

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی زندگی دیکھ کر اور ان کے اصلاحی ودعوتی مشن کو سمجھنے کے بعد مولانا سید محمد الحسنی صاحب کی بیان کردہ تاریخی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آج کے مادی دور میں جب کہ نفس پرستی اور شکم پرستی ہی کل مقصد زندگی بن کر رہ گئی ہے وہ ان تاریکیوں میں دیا جلانے کا کام کررہے تھے، بے حیائی، فحش گوئی اور دوسرے گناہوں کی تاریکیوں اور شرک وبدعات وخرافات کی ظلمات کو توحید وسنت کے نور سے ختم کرنے کا کام

---

(۱) ملاحظہ ہو ''تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی''، مطبوعہ مکتبۂ اسلام لکھنؤ ومجلس نشریات اسلام کراچی۔

کرر ہے تھے۔وہ کہتے تھے سنت چھوٹی ہو یا بڑی وہ ایک نور ہے جس کے اپنی زندگی میں یا دوسروں کی زندگی میں زندہ کرنے سے گناہوں کی ظلمت دور ہوتی ہے، اور فضا کی آلودگی ختم ہوتی ہے۔

اتباع سنت

جہاں تک اتباع سنت اور بدعات سے نفرت کا تعلق ہے تو وہ ہمیں اس عبارت کے مصداق آج کے اس دور میں کھلے طور پر نظر آتے تھے، جو گیارہویں صدی ہجری کے ایک معروف متبع السنّت بزرگ اور سلسلہ مجددیہ آدمیہ کے عالی مرتبت شیخ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (متوفی ۱۰۹۶ھ) کے بارے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخی بصیرت اور ایمانی فراست سے لکھی تھی کہ:

> ''جہاں تک اتباع سنت اور بدعات سے نفرت اور عادات واخلاق، تمدن ومعاشرت، جذبات واذواق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بالارادہ اور بلاارادہ پیروی اور تقلید کا معاملہ ہے اس میں مشائخ طریقت میں ان کی نظیر ملنی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے''(۱)

راقم کا یہ اپنا احساس ہے کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے وجود بابرکت نے اسی مشکل کو آسان بنادیا تھا جس مشکل کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ کے جانشین وخواہرزادے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''......وہ لوگوں کو اتباع سنت اور دین کے صحیح احکام پر عمل کرنے کی شدت سے تلقین کرتے تھے، اور اپنا سارا وقت اسی میں لگاتے تھے، لوگوں سے ملاقاتوں میں، اپنی مجلس میں برابر ان دینی کمزوریوں کی طرف توجہ دلاتے جو مسلمانوں میں بلکہ

---

(۱) مقدمہ تذکرۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی، صفحہ:۶۔

دینداروں میں بھی بے خیالی کے سبب سے پھیل گئی ہیں، اصلاحی کام میں اپنی خاص توجہ میں دوسروں سے کہیں زیادہ فکرو اہتمام کرنے والے تھے، اس طرح ان کمزوریوں کا ازالہ بہت سے لوگوں سے ان کے ذریعہ انجام پایا، ان کے فیض صحبت سے بہت لوگوں کو دینی اصلاح اور احکام شریعت پر پوری طرح عمل کرنے کے کام کا حوصلہ ملا''۔(۱)

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''ان کا مطمح نظر بہت واضح تھا، ان کا مقصد حیات قرآن وحدیث اور شریعت مطہرہ پر عمل اور اس کی ترویج واشاعت تھا اور وہ اس پر مدۃ العمر کاربند رہے''۔(۲)

تلاوت قرآن مجید

قرآن مجید سے تعلق اور شغف ان کا ایک امتیازی وصف تھا، تصحیح قرآن مجید کا مستقل شعبہ انہوں نے قائم کیا، خود قرآن مجید کی تلاوت بڑے اہتمام سے کرتے اور اس کے لئے ماہر فن اساتذہ کی خدمت میں جا کر خاصا استفادہ کیا تھا۔

مصنف حیات ابرار (ص:۱۱۸) لکھتے ہیں:

''اللہ رب العزت نے حضرت والا قدس سرہ کو ابتداء ہی سے قرآن پاک کو صحت اور عمدگی اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، حسن اتفاق کہ اس زمانہ میں سہارن پور کی جامع مسجد میں اپنے زمانہ کی مایۂ ناز شخصیت شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے بڑے بھائی شیخ القراء حضرۃ المقری عبدالخالق صاحب امام وخطیب تھے، جو فن تجوید وقرأت میں بہت مشہور تھے، حضرت والا قدس سرہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور باوجود یہ کہ حضرت والا قدس سرہ کا کوئی وقت خالی نہیں تھا، تمام وقت بھرا ہوا تھا، اور جامع مسجد مدرسہ سے قدرے فاصلہ پر ہے، مگر

---

(۱) ملاحظہ ہو پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء لکھنؤ، شمارہ ۲۵؍ مئی ۲۰۰۵ء۔

(۲) ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۵ء۔

قرآن پاک کے ساتھ بے انتہا شغف وتعلق کی بنا پر استفادہ کی شکل نکال ہی لی کہ حضرت والا نماز فجر سے قبل جامع مسجد پہنچ جاتے ، نماز فجر جامع مسجد میں ادا فرماتے ، اور نماز فجر کے بعد حضرت قاری صاحب سے تجوید وقرأت کی تعلیم حاصل کرتے ، حضرت قاری صاحب نے بھی حضرت والا کے ذوق وشوق کی بنا پر خاص توجہ وعنایت کا معاملہ فرمایا اُدھر فطری ذوق وشوق۔ ادھر استاد کی خاص توجہ وعنایت نے اپنا رنگ دکھایا، اور حضرت والا کو فن تجوید وقرأت میں خاص کمال بلکہ ملکہ حاصل ہوگیا، بلکہ قرآن پاک کی اسی طرح قرأت وتلاوت جس طرح وہ نازل کیا گیا، حضرت والا کے مزاج پر اس طرح چھا گئی کہ حضرت والا کی طبیعت بن گئی، اور حضرت والا کی حسن قرأت کا روح پرور انداز ایسا لطف اندوز ہوتا تھا کہ سامعین پر بے خودی کی حالت طاری ہوجاتی ، اور جی چاہتا کہ حضرت والا پڑھتے رہیں، اور ہم سنتے رہیں، بعض جلسوں میں جہاں حضرت والا قدس سرہٗ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوتی بعض حضرات صرف حضرت والا کی روح پرور قرأت اور والہانہ انداز میں اشعار سننے کے لئے ہی دوردراز سے شرکت فرمایا کرتے ، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حسن صوت (لحن داؤدی) کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا''۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن مجید سے تعلق ایسا ہی تھا، وہ اس کو تیز تیز اور جلدی جلدی تلاوت کے بجائے تجوید سے اور اس کا حق دیئے جانے کے خیال کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے ، تراویح میں بھی ان کا یہی طرز عمل ہوتا، تلاوت خوب کرتے مگر اطمینان سے اور یہی دوسروں سے چاہتے کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے اس کا دھیان رکھ کر پڑھنا چاہیے۔

ذکر

ذکر کے سلسلہ میں مولانا کا اس آیت کریمہ پر عمل تھا کہ:

يَـاَيُّهَـا الَّـذِيۡنَ آمَـنُـوۡا اذۡكُـرُوا اللّٰـهَ ذِكۡـرًا كَثِيۡـرًا وَسَبِّحُوۡهُ بُكۡـرَةً

وَّ اَصِيْلًا" (سورۂ احزاب، رکوع ٦) اے ایمان والوتم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

منیٰ میں اپنے ایک خطاب میں مولانا نے فرمایا:

''کثرت ذکر سے نور پیدا ہوگا، نور سے سرور ہوگا، سرور سے قوت وطاقت پیدا ہوگی، جس سے طاعات کا ذوق وشوق ہوجائے گا، اس کی پابندی ہونے لگے گی، گناہوں سے نفرت ہوجائے گی، جس طرح مردار کی بو سے نفرت ہوتی ہے، ایسے ہی اللہ کے ذکر کی برکت سے بری باتوں سے یہ بات پیدا ہوجائے گی، زبان گناہوں سے بچے گی، آنکھ گناہوں سے بچے گی، گناہوں کی بو کا احساس ہوگا۔ دو شخص ہیں، ایک مردہ ہے، ایک زندہ ہے، ظاہر ہے کہ دونوں کی حالتوں میں فرق ہوگا، جو شخص مردہ ہے اس کو کسی چیز کا احساس نہیں، نفع ونقصان کی تمیز نہیں لیکن جو شخص زندہ ہے اس کو ہر چیز کا احساس ہوتا ہے، اچھے اور برے کے فرق کو محسوس کرتا ہے، تو ذکر کرنے سے انسان میں خاص قسم کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، جس کے اثرات ظاہر ہوں گے، اور جو ذکر نہیں کرتا اس میں یہ باتیں نہیں ہوتیں، اسی لئے حدیث میں ذکر کرنے والے کی مثال زندہ شخص سے دی گئی ہے، فرمایا گیا:

مثل الذی یذکر ربه والذی لایذکر ربه مثل الحی والمیت (بخاری شریف) جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے، کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے''۔(۱)

اذکار کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ذکر کوئی سا بھی کرے، ہر ایک کا نفع اور فائدہ ہوگا، مٹھائی جو بھی اپنے ذوق کی استعمال کرے چاہے ایک قسم کی کھاؤ، چاہے کئی قسم کی ملا کر کھاؤ، الگ الگ کھاؤ، اس کا فائدہ ہوگا اسی طرح یہاں بھی معاملہ ہے، کوئی سا بھی ذکر کرو، خواہ اللہ اللہ کرو، یا

---

(۱) حج کے خاص اور اہم حقوق، صفحہ: ۲۹، از حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ مجلس احیاء سنۃ، ہردوئی۔

کلمہ طیبہ پڑھو، یا سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھو، خواہ ملا کر پڑھو، یا الگ پڑھو اس کا نفع ہوگا، لیکن بہتر یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان کے فوراً بعد مستحب یہ ہے کہ "استغفر الله الذی لا اله الا هوالحی القیوم و أتوب الیه" اس کو تین بار پڑھے، اور آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص (قل هو الله احد...... الخ) وسورۂ فلق وسورۂ ناس کو ایک ایک بار پڑھے، تسبیح فاطمہ یعنی تینتیس بار سبحان اللہ، ۳۳ رمرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور دن بھر میں ایک تسبیح کلمۂ طیبہ، ایک استغفار، ایک تسبیح درود شریف کی اس نیت سے پڑھے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے گھٹے اور اللہ کی محبت بڑھے، اور متفرق اوقات میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر چاہے ملا کر پڑھے یا الگ الگ، بہتر ہے کہ اوپر چڑھے تو اللہ اکبر کہے نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے، برابر زمین پر چلے تو لآ اله الا الله کہے، شروع میں بعض اوقات جی نہیں لگتا، اچھا نہیں لگتا مگر ہلکے ہلکے ذکر کا اثر شروع ہو جاتا ہے، پھر کیا خیال ہوتا ہے اس کو مجذوب صاحبؒ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

مجھے دوست چھوڑدیں مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے‘‘(۱)

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذکر وشغل کے اس اہتمام اور اہمیت وافادیت اور زندگی پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات کے باوجود اس کو کافی نہیں سمجھتے تھے، وہ تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے لئے اپنے امراض ومعائب کی کسی شیخ ومرشد کو اطلاع دینے اور اس کا علاج کرانے کو ضروری سمجھتے، اس سلسلہ میں ان کا نقطۂ نظر وہی تھا جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

’’آپ کے نزدیک ذکر وشغل، صحبت مشائخ، اور مجاہدات وریاضات کا بڑا مقصد

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب حج کے خاص اور اہم حقوق، از حضرت مولانا ابرار الحق صاحب، صفحہ: ۳۰-۳۱۔

اورثمرہ اخلاق کی اصلاح، صفات رذیلہ کا ازالہ، اور صحیح معنیٰ میں تزکیۂ نفس ہے، محض ذکرواذکار کافی نہیں، اخلاق کی اصلاح ضروری ہے، ایک روز ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے جو ایک موقع پر مغلوب الغضب ہوگئے تھے فرمایا:

''اصلاح کے لئے فقط ذکر کافی نہیں، اخلاق کی درستگی کرنی چاہیے، اور مشائخ سے اخلاق ذمیمہ کا علاج کرانا چاہیے، اسی واسطے زندہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں، مثلاً غصہ ہے یہ بہت برا مرض ہے، حدیثوں میں اس کی بہت مذمت فرمائی گئی ہے لیکن جب تک شیخ سے علاج نہیں ہوتا یہ مرض نہیں جاتا''۔(۱)

توحید

آخرت پر یقین، رسالت پر ایمان اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وانقیاد میں وہ امتیازی شان رکھتے تھے، توحید میں انھیں رسوخ حاصل تھا، اور ان کی یہ کیفیت تھی جو مولانا سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ومصنف ''نزهة الخواطر'' و"الثقافة الاسلامیه فی الهند" (۲) نے ایک سالک اور مومن کامل کی تصوف وسلوک پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کی ہے وہ کہتے ہیں:

---

(۱) تزکیۂ واحسان یا تصوف وسلوک، صفحہ:۱۴۲۔

(۲) یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مولانا عبدالحیٰ حسنی صرف ایک مؤرخ ومصنف ہی نہیں تھے وہ حدیث کے بھی ایک ممتاز عالم اور دین وشریعت کے ماہر، اور داعی و مصلح تھے انہیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت عثمانی کی تھی اور ان سے اجازت وبیعت وارشاد حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی، اور خاتم المحدثین شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ان کے مشائخ میں حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور خود ان کے والد مولانا حکیم سید فخرالدین خیالی اور خسر حضرت سید شاہ ضیاء النبی چشتی رحمہم اللہ بھی تھے۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بڑے شیخ مولانا سید شاہ عبدالسلام ہسوی کی بھی توجہ عنایت انہیں حاصل رہی۔ حضرت مولانا سید عبدالعلی حسنی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کے صاحبزادگان ہیں۔

''ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو''لآ الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دیتے ہوئے وفات پائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، مرید کے لئے ضروری ہے کہ ان مقامات میں وہ برابر ترقی کرتا رہے، اوران مقامات کے لئے طاعت واخلاص اصل ہے، اوراس کی بنیادی اور مقدم شرط ایمان ہے، پھراس کے نتیجہ میں کچھ احوال وصفات اور نتائج وثمرات ظاہر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مرید درجہ بدرجہ توحید اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، اگر کسی مقام وحالت میں صحیح اور مطلوب ثمرات نہ حاصل ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے والے مقام میں کوئی تقصیر رہ گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مرید اپنے ہر قول وفعل کا برابر محاسبہ کرتا رہے، اور جائزہ لیتا رہے، کیونکہ اعمال کے نتائج وثمرات کا ظہور ضروری ہے اور اگر نتائج وثمرات ٹھیک طور پر نہیں ظاہر ہورہے ہیں، تو اس کا سبب عمل میں کوئی کمی یا کوتاہی ہے''۔(۱)

دردوسوز

مسلمانوں کی دینی واخلاقی پستی نے آپ کو بے کل کردیا تھا، ہردوئی اوراس کے اطراف میں نہ کوئی ایسی درسگاہ تھی جہاں سے روشنی حاصل کی جاتی، اور نہ ایسے علماء تھے جو گھر گھر جاکر دین وایمان کی طرف لانے کی کوشش کرتے، شرک وبدعات کو رواج مل رہا تھا، علمائے حق پر کفر وضلالت کے فتوے لگانے والے علماء سو کی آمد ورفت تھی، یہ نہایت دشوار گزار کام تھا کہ ایسے ماحول اور حالات میں احیائے سنت کا کام انجام دیا جاتا اور بدعات کے خلاف آواز لگائی جاتی، مگر آپ جو دردوسوز لے کر آئے تھے اس نے چین سے بیٹھنے نہ دیا، راحت کے اسباب کو چھوڑ کر آپ نے پاپیادہ دورے شروع کردیئے، آج اس گاؤں کل اس محلہ میں، آج اس مسجد میں کل بیچ میدان میں کہ دھوپ کی گرمی کی بھی پرواہ نہیں، ایک دھن سوار، ایک لگن میں مگن، اصلاح امت کی فکر میں سرگرداں...... مدرسہ اشرف المدارس قائم کیا، چھوٹے بچوں کو قرآن مجید

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، صفحہ: ۲۴۷، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ورسالہ سلاسل اربعہ، صفحہ: ۲۵، از راقم۔

پڑھانے کے نام پر وہاں لے جاتے، داخل کرتے، اور ان پر محنت کرتے، عقیدہ وعمل درست کراتے، کچھ عرصہ بعد ''مجلس دعوۃ الحق'' کی داغ بیل ڈالی گویا بد دینی کے ماحول کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کیا، مثبت طریقہ اختیار کیا، تاکہ تنفر نہ ہو، سنت کا نام لیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی دہائی دیتے، کہتے یہ کام سنت ہے اور یہ سنت کے خلاف، آخر لوگ ان کی باتوں کو سمجھنے لگے اور سننے اور ماننے لگے، جس سے ماحول میں زبردست تبدیلی آئی، آپ کے یہ دعوتی وتعلیمی اسفار پیدل بھی ہوتے، سائیکل سے بھی، اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ بس سے، ٹرین سے اور کار سے بھی ہونے لگے، آپ کو ابتداء میں جن حالات سے گذرنا پڑا اس کو مولانا مفتی محمد فاروق صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

> ''کفر وضلالت کے گڑھ کے اندر ''احیائے سنت'' کا کام کوئی آسان کام نہیں تھا، حضرت والا نے سب سے پہلے مدرسہ قائم کیا، اور اس میں بچوں کی ابتدائی تعلیم شروع فرمائی، اس کے لئے ہردوئی اور اس کے اطراف میں بچوں کو لانے کے لئے اور ان کے والدین کی ذہن سازی کے لئے کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں داخل کریں اسفار فرمائے، رفیق سفر آپ کے رفیق کار مولانا بشارت علی صاحب ہوتے، یہ سفر عموماً سائیکل پر ہوتے، سردی، گرمی، لو، بارش، تیز دھوپ سے سابقہ پڑتا، مگر دین کے لئے شاہانہ مزاج اور گھر پر راحت کے تمام تر اسباب مہیا ہونے کے باوجود یہ سب مجاہدات برداشت کیے جاتے تھے، لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں بھی سننا پڑتیں، چونکہ اس وقت مدرسہ قائم کرنے کی بات بھی وہاں کے باشندوں کے لئے بہت سخت بات تھی، جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں کی طرف سے حضرت والا قدس سرہ کے اور مدرسہ کے خلاف مقدمات بھی دائر کیے گئے، اور حضرت والا قدس سرہ نے بعض مقدمات کی بذات خود پیروی فرمائی، اور الحمد للہ کامیابی حاصل ہوئی''۔(۱)

یہ دردوسوز آپ کا منکرات کی روک تھام، قرآن مجید کی تصحیح اور مناسب ڈھنگ سے

---

(۱) حیات ابرار صفحہ: ۴۴۲-۴۴۳، مؤلفہ مفتی محمد فاروق میرٹھی۔

تعلیم دیئے جانے اور چھوٹی بڑی تمام سنتوں کے زندہ کرنے اور عموم دینے میں تھا جس کے لئے ملک بھر کے آپ کے دورے ہوتے، بعض جگہوں پر کئی کئی دن قیام بھی فرماتے، ایسے مدارس ومکاتب کی سرپرستی ونگرانی بھی قبول فرماتے جہاں ان کے شرائط کے مطابق قرآن مجید کی تعلیم کی صحت پر خصوصی توجہ دی جائے، اسفار خالص دینی جذبہ کے تحت فرماتے، بعد میں علاج ومعالجہ کے اسفار بھی اسی جذبہ کے ہی تحت تھے، آپ جہاں کہیں بھی جاتے اصلاح ودعوت کی کوئی نہ کوئی بات ضرور لوگوں کے گوش گزار کرتے، ان برائیوں کی طرف ضرور توجہ دلاتے جو عادت سی بن گئی ہیں، یا معاشرہ میں انہیں برا سمجھا جانا ہی ختم ہوگیا ہے۔

عشق ومحبت

"وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ" (۱) کا اثر آپ کی شخصیت، سیرت وکردار اخلاق ومعاملات میں ظاہر ہوتا تھا، اللہ کے عشق ومحبت میں آپ کا دل جل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدائیت وتعلق میں آپ کا روئیں روئیں قربان ہو رہا تھا، جو زبان سے چھلکنے لگتا تھا، خصوصاً جب وہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے اشعار پڑھتے، جس درد وکیف سے وہ اشعار ان کی زبان پر جاری ہوتے اس کا اثر پاس بیٹھنے والوں پر لامحالہ پڑتا۔

حضرت مولانا علی میاں لکھتے ہیں:

> ''محبت ومحبوبیت ان حضرات کے خواص میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ اجتباء وانتخاب کا ہوتا ہے اور وہ مطلوب ومراد ہوتے ہیں، اور اس کے آثار ان کی زندگی میں ظاہر ونمایاں ہوتے ہیں''۔ (۲)

اسی محبت الٰہی وعشق رسول سے خشیت الٰہی اور انعامات پر شکر اور تکلیفوں پر صبر کا حال پیدا ہوتا ہے، وہ ہر معاملہ میں اللہ کے فضل کا امیدوار بھی رہتا ہے، اور اپنی زندگی کے ہر حصہ کو اللہ کا فضل ہی سمجھتا ہے، اور وہ خشیت بھی طاری ہوتی ہے کہ ہر ہر لمحہ حسن خاتمہ کی فکر، اعمال کی

---

(۱) سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۵۔ (۲) سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد دوم، صفحہ: ۵۱۶۔

قبولیت کی فکر، اللہ کی رضا کی فکر غالب رہنے لگتی ہے، اورامت کا صحیح دردوغم پیدا کرتی ہے، انسانیت کی خدمت کا حوصلہ دیتی ہے کہ کتنا زیادہ سے زیادہ نفع اس کی ذات سے اللہ کی مخلوق کو پہونچ جائے، اور یہ حال ہوجاتا ہے کہ ہر عمل محض اللہ کی رضا اورخوشنودی کے لئے انجام پاتا ہے، جوکہ مطلوب ومقصود مومن ہے، اور یہی خالص بندگی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حال کی تعریف کرتے ہوئے بڑی بلیغ بات تحریر فرمائی کہ:

''شریعت کی اصل روح اور صحیح ترتیب یہ ہے کہ ہر عمل سے صرف رضاء الٰہی مقصود ہو، اکثر احکام شرعی کی تعمیل اور فرائض ونوافل طاعات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی رحمت، رضاء ومغفرت وجنت کے وعدے اور دینی فضائل منقول ہیں، کبھی ان کے ساتھ ان اعمال کے دینی ودنیوی مصالح اور منافع بھی بیان کردیئے گئے ہیں، مومن کو اپنے عمل کا معاوضہ صرف رضا ومغفرت کو سمجھنا چاہیے یا جنت کو (جو اس کی خوشنودی کا نشان اور اس کی رضا کا محل ومقام ہے) باقی دوسرے مصالح ومنافع کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام سمجھنا چاہیے، اوران کی قدر کرنی چاہیے مگر عمل کا محرک اصلی اور نیت صرف رضائے الٰہی ہو اور عمل کے وقت اس کا مراقبہ ودھیان ہو''۔(۱)

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کا حال انہی بزرگوں اور مشائخ کا حال تھا، اوراس شعر کے وہ مصداق ہوگئے تھے جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی زبان پر اکثر رہا کرتا تھا کہ ؎

دل ڈھونڈنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اورآگ دبی ہے

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر ایسے اشعار پڑھا کرتے جس میں محبت الٰہی اورعشق رسول، دنیا کی بے ثباتی اورآخرت کے دوام وبقا کی بات کہی گئی ہوتی، اللہ

(۱) مکاتب حضرت مولانا محمد الیاسؒ، مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مطبوعہ ادارہ اشاعت دینیات لمیٹیڈ نئی دہلی۔

اوراس کے رسول کی بات آجاتی، ایک جوش پیدا ہو جاتا، طاقت بڑھ جاتی، آنکھیں نم ہو جاتیں، اس حقیقت کی ترجمانی سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور صاحب سلسلہ بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا یہ شعر کرتا ہے: ؎

الٰہی دردوغم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گرہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا سے تعلق اور فریفتگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ پوری زندگی کا اسی کو مشن بنالیا تھا، لوگوں کو سنت کی طرف لانے کی کوشش اور سنت سے تعلق ومحبت پیدا کرنے کا جذبہ ہر جگہ رہتا، کہیں جاتے، کہیں ہوتے، کسی سے ملتے، اس کی بات ضرور کرتے، آسیؔ غازی پوری کا یہ شعر آپ کے بالکل حسب حال نظر آتا ہے کہ ؎

صبا یہ جاکے کہیو میرے سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

یہی عشق ومحبت ہے جو بار بار اور جلدی جلدی بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ اور دیار حبیب خدا مدینہ منورہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں بصد شوق وذوق حاضری پر آمادہ کرتا، اور وہ اپنے امراض واعذار کے باوجود اس کا عزم فرماتے، اور ان کے لئے اس کے سب راستے آسان ہوتے جاتے۔

شفقت علی الخلق

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ تھا اس میں غایت درجہ کا یہ خیال ملحوظ رہتا کہ زیادتی اور ظلم نہ ہونے پائے، اصول وضوابط بھی انہوں نے اسی لئے وضع کیے تھے، خدام، ماتحتوں، عزیزوں، مہمانوں، پڑوسیوں، تعلق والوں سب ہی کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھتے، جانوروں کے سلسلہ میں بھی ان کا رویہ خود تکلیف اٹھانے کا تھا، ایک واقعہ ان کے ہی ایک نامور مسترشد اور خلیفہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کراچوی بیان

کرتے ہیں:

''میرے شیخ شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک جگہ وضو کیا پھر وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے گئے، پھر تیسری جگہ چلے گئے، وہاں جاکر وضو مکمل کیا، کسی نے عرض کیا کہ حضرت کیا ہوگیا؟ آپ نے جگہ جگہ وضو کیوں کیا؟ فرمایا: جہاں وضو کرتا ہوں وہاں چیونٹیوں کا مرکز ملتا ہے، ان کی آپس میں رشتہ داری ہوتی ہے اگر پانی کے دھارے سے یہ رشتہ داری ٹوٹ گئی، کوئی ادھر بہہ گئی، کوئی ادھر، تو میرا دل زخمی ہوتا ہے کہ یہ چیونٹیاں بھی اللہ کی مخلوق ہیں میں انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا''۔

مولانا حکیم محمد اختر صاحب کراچوی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قال الحسن البصری فی تفسیر الابرار: "الذین لایؤذون الذر" کہ ابرار وہ ہیں جو چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہیں دیتے، دیکھیے شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کو کہ چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہیں دیتے''۔(۱)

(۱) مواعظ دردِ محبت جلد دوم، صفحہ: ۴۰۳، از مولانا حکیم محمد اختر صاحب، مطبوعہ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی۔

باب ہشتم

ملفوظات وہدایات

’’مجالس ابرار‘‘ کی ایک جھلک

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات وصفات سے نوازا تھا ان میں ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے ان کے مناسب حال باتیں ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ اس کے لئے اسٹیج سجانے، جلسہ یا پروگرام رکھنے اور مجلس کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اسے کسی انتظار یا کسی موقع کا پابند نہیں ہونا پڑتا، حضرت والا سے ایک ہی ملاقات وزیارت اس کے مناسب اور اہم امور کی طرف متوجہ کردیتی تھی، حضرت والا کی یہ توجہ قولاً وحالاً دونوں اعتبار سے ہوتی تھی، مگر حضرت والا کا مزاج کچھ فرمانے کا ہوتا تھا اور ملنے والے کے کان کے حق کو اہمیت دیتے ہوئے اس کا پورا خیال فرماتے تھے، اور انسانی طبائع کی ان کمزوریوں کا بھی خیال کرتے تھے، وہ اچھی سے اچھی، مفید سے مفید باتوں پر سرعت کے ساتھ اسی صورت میں ادراک کر پاتا ہے، جب مثالوں سے اس کی وضاحت کردی جائے، اس سلسلہ میں ان کو اپنے شیخ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے خصوصی حصہ ملا تھا، مزید برآں وقت کے بڑے شیخ اور مثالوں کے بادشاہ کہے جانے والے بزرگ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ کا ان پر اس سلسلہ کا عکس بھی پڑا تھا، حضرت محی السنہ ہردوئی رحمۃ اللہ کے ملفوظات اور مجالس کو قلم بند کرنے کا مختلف لوگوں نے اہتمام کیا، لیکن ان کے خلیفہ حضرت حکیم محمد اختر صاحب کراچوی کی مرتب کردہ ’’مجالس ابرار‘‘ کو جو قبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں، یہاں ہم اسی سے چند اہم ارشادات کو نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں:

مثالوں سے وضاحت

اصلاحی تعلق سے حضرت والا ہردوئی کی یہ بات، بڑی بلیغ وفصیح تقریر اور ادیبانہ تحریر پر

بھاری نظر آتی ہے جو انہوں نے ایک موقع پر کہی، فرمایا کہ:

"جب کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا، تو اس کی مثال اس موٹر کی ہے، جس پر ڈرائیور نہ ہو، ایسی موٹر خود بھی تباہ ہوتی ہے اور اس پر بیٹھنے والوں کو بھی ہلاک کرتی ہے، دنیا میں جتنے گمراہ فتنے پیدا ہوئے ہیں، ان کا بانی جاہل نہیں ہوتا، پڑھا لکھا ہی ہوتا ہے مگر اس کا کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا، لہذا کچھ دن تو صحیح کام کرتا ہے، پھر جیسے موٹر بدون ڈرائیور سیدھی سڑک پر کچھ دیر صحیح چلے گی مگر جب موڑ یا چوراہا آئے گا تو ٹکر کھا جائے گی یا غلط راہ پر لگ جائے گی، اسی طرح وہ شخص بھی دین کے کسی موڑ اور چوراہے پر ٹکر کھا کر خود بھی گمراہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے، لہذا مؤذن اور امام اور مدرس کے لئے بوقت تقرر ہمارے یہاں یہ شرط ہے کہ اس کا تعلق اکابر میں سے کسی سے ضرور ہو"۔ (ص ۲۱۸)

اشعار سے استشہاد

اپنی بات کو جس طرح مثال سے زینت بخشتے تھے اسی طرح اشعار سے اس میں قوت پیدا کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا:

واعظ اور مبلغ کو معمولات اور خلوۃ مع الحق کا بھی بہت اہتمام چاہیے جیسا کہ فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب' (سورۃ الانشراح، آیت ۸-۹)' میں تصریح موجود ہے معمولات اور ذکر پر حضرت خواجہ صاحبؒ (یعنی خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب) کا شعر ہے کہ:

دم رکا سمجھو جو دم بھر کو بھی یہ ساغر رکا
میرا دورِ زندگی ہے، یہ جو دورِ جام ہے

حضرت خواجہ صاحبؒ نے تعلق مع اللہ کے لطف کو یوں بیان فرمایا ہے:

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے
معلوم کسی اورکو یہ راز نہیں ہے

ذکر

ذکر کے تعلق سے بڑی بلیغ بات یہ ارشاد فرمائی کہ:

''ذکر اللہ سے دلوں کو سکون عطا ہوتا ہے، ایک بہت بڑے تاجر ہمارے مدرسہ کے استاد قاری امیر حسن صاحب سے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مجاز بھی ہیں، سکون کی تدبیر پوچھنے آئے تھے، حالانکہ ان کی تنخواہ اس وقت صرف سو(۱۰۰) روپے ماہوار تھی لیکن دولت سے سکون کا کیا تعلق، البتہ ذکر کے خلاف سے بچنا بھی ضروری ہے یعنی معاصی سے احتیاط کے بغیر ذکر کا نفع کامل نہ ہوگا، جب ذکر کامل ہوگا، اطمینان کامل ہوگا، ذکر ناقص ہوگا، اطمینان بھی ناقص ہوگا، ذکر کامل سے مراد یہی ہے کہ اس کی ضد سے بچا جائے جیسے کامل گرمی جب حاصل ہوگی جب اس کی ضد سردی کے اسباب سے بھی بچا جائے، کسی افسر میں تمام خوبیاں ہیں صرف رشوت میں پکڑا گیا تمام عمر کی کارکردگی پر اثر پڑا، معطل کر دیا گیا۔ ایک گناہ کا بھی عادی مجرم حق تعالیٰ کا ولی نہیں بن سکتا" الذین آمنوا وکانوا یتقون" (سورۂ یونس، آیت:٦٣) ۔اولیاء کی تعریف قرآن میں یہی بیان فرمائی گئی ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ہو(یتقون کو مضارع کے صیغہ سے بیان فرمایا جس کے اندر تجرد استمراری کی خاصیت ہوتی ہے، مراد یہ کہ جب بھی تقویٰ میں کوتاہیوں سے نقصان لاحق ہوتو اسے تلافی کر کے تقویٰ کی تجدید کر لی جائے اور یہ عمل استمرار اور دوام کے ساتھ ہو (از حکیم اختر صاحب) ذکر سے مراد صرف زبان ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ ہر عضو کا ذکر ہے۔

اصلاح ظاہر

ظاہر کی اصلاح کے تعلق سے یہ بات فرمائی کہ:

''میں نے ایک جگہ ظاہر کی اصلاح پر بہت تاکید کی، تو ایک صاحب نے کہا کہ اگر باطن ٹھیک ہو تو ظاہری وضع قطع یعنی داڑھی وغیرہ کے اوپر سختی کی کیا ضرورت ہے، میں نے کہا کہ آپ تاجر ہیں، آپ اپنی دوکان کا سائن بورڈ الٹ کر لگا دیجئے۔ تو کہنے لگے لوگ مجھے پاگل کہیں گے اور دماغی توازن کے خراب ہونے پر دلیل قائم کر لیں گے۔ تو میں نے کہا کہ اس وقت اس سائن بورڈ کا باطن تو ٹھیک ہوگا، صرف ظاہر خراب ہوگا، تو آپ نے کیوں پاگل ہونے اور دماغی توازن کی خرابی کا سرٹیفکٹ خود ہی دے دیا؟ تو کہنے لگے مولانا اب سمجھ میں بات آ گئی بعض وقت مثالوں سے بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے''۔ (ص: ۴۳۴)

اخلاص اور تصحیح نیت

اخلاص اور تصحیح نیت کے تعلق سے بڑی باریک بات یہ فرمائی کہ:

''ہر عمل کا مدار نیت پر ہے، ایک شخص اختلاط سے بچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مجھ سے اذیت نہ پہونچے اور دوسرا یہ نیت کرتا ہے کہ لوگوں سے مجھے اذیت نہ پہنچے، اول نیت پر اجر ہے دوسری نیت پر زجر ہے کیونکہ دوسری نیت میں اپنے ساتھ حسن ظن اور مخلوق خدا کے ساتھ بدگمانی ہے، اور اول نیت میں اپنے ساتھ بدگمانی اور مخلوق خدا پر شفقت ہے''۔ (ص: ۴۸۸)

بعض معمولی چیزوں کے غیر معمولی اثرات

بعض معمولی چیزوں کے غیر معمولی اثرات ونتائج کے سلسلہ میں فرمایا:

''بعض چیزیں بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں، مگر اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے نہایت خطرناک ہوتی ہیں جیسے بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا نہایت تاکید سے منع کیا گیا ہے، فرمایا گیا ہرگز کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے، بظاہر تو معمولی بات ہوتی ہے مگر چونکہ اس صورت سے شیطان کھاتا ہے پس اس عمل شیطانی کی صورت کی نقل سے اس کی سیرت بھی منتقل ہو جائے گی اور پھر شیطانی اثرات سے حب جاہ، بڑوں

پر اعتراضات، بدگمانی اور حسد کی بیماری شروع ہو جائے گی''۔ (ص:۴۸۹)

آدمیوں کی قسمیں

ہدایت کے تعلق سے بڑی بلیغ بات یہ ارشاد فرمائی کہ:

''حضرت خواجہ صاحب اجمیری (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) کی کوششوں سے نوے لاکھ کافر مسلمان ہوئے (۱)، اور حضور اکرم ﷺ کی کوششوں سے بعض لوگ اسلام نہ لائے، اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ غافل، ۲۔ سائل، ۳۔ مائل، ۴۔ جاہل، ۵۔ مجادل

اول ۴ قسم کے لوگوں کو نفع ہوتا ہے پانچویں قسم کو ہدایت نہیں ہوتی، خواجہ صاحبؒ کی کوششوں سے جو اسلام لائے وہ اول چار قسم کے لوگ تھے اور حضور اکرم ﷺ کی کوشش سے بعض لوگ جو اسلام نہیں لائے وہ پانچویں قسم کے تھے، مجادل کو نفع نہیں ہوتا، شیطان مجادل تھا مردود ہوا، مجادل کی طبیعت ضدی ہوتی ہے، اس کی مثل مشہور ہے، ''پنچوں کا فیصلہ سر پر، مگر نالہ رہے گا یہیں پر''۔ (ص:۴۱)

دینی جدوجہد کرنے والوں کی خدمت میں چند گزارشات

زیر نظر مضمون ''دینی جدوجہد کرنے والوں سے چند گزارشات'' جسے مولانا محمد افضال الحق صاحب زید مجدہ نے مرتب فرمایا ہے، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا ایک پیغام ہے جو کہ مجلس دعوۃ الحق بنگلہ دیش کے ذمہ داروں کی درخواست پر اس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۳/۴ رجب ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۱/۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء کے لئے مرتب کیا گیا، مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب زید مجدہ اس کی اشاعت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) یہ تعداد مشہور ہے، یہ کثرت کا عدد ہے، یعنی اتنی بڑی تعداد میں لوگ اسلام لائے، اور غلط کاموں سے توبہ کی جن کی تعداد شمار میں نہیں لائی جاسکتی، اسی لیے فاتح ہندوستان اور نائب رسول اللہ فی الهند کے خطابات انھیں ملے۔ (مرتب)

''اس میں قرآن پاک واحادیث مبارکہ کی روشنی میں امت مسلمہ کی داعیانہ حیثیت بالخصوص اصلاح منکرات کے کام کی ضرورت واہمیت جماعتی اعتبار سے اس کے مقام کو واضح کر کے مسلمانوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں عمومی طور پر جو کوتاہی ہو رہی ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہے کہ صرف شرکائے اجلاس ہی کے لئے پیغام نہیں ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے ہے۔ اس لئے جزوی ترمیم کے بعد آنمخدوم دامت برکاتہم کی اجازت سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول اور نافع فرمائے (آمین)''۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآاَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْر (آیت ۳۰، سورۃ الشوریٰ) وَقَالَ تَعَالیٰ: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلیٰ الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَر (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۴)

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو تمہارے اوپر مصائب اور پریشانیاں آتی ہیں سب تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور فرماتا ہے ''ویعفو عن کثیر''۔ چونکہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے فرما رہا ہے کہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر ہر گناہ پر پکڑ ہونے لگے تو معاملہ اور سخت ہو جائے گا، حدیث پاک میں ہے کہ اس امت کی بیماری گناہ ہے اور اس کا علاج توبہ واستغفار ہے، گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مصائب کا سلسلہ جاری ہے اس سے خلاصی نہیں ہو پا رہی ہے جب کہ امور خیر کا سلسلہ برابر جاری ہے، مختلف انداز سے مکاتب مدارس خانقاہوں کے ذریعہ کام ہو رہا ہے اور دیگر امور خیر کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ماشاء اللہ جماعتی انداز پر بھی کام خوب ہو رہا ہے۔

قرآن پاک میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے معروفات کے ساتھ منکرات کا بھی ذکر کیا ہے،

جن سے اس کی خاص اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور جس طرح ''معروف'' کے لئے ایک خاص جماعت ہونی چاہیے، اسی طرح منکرات کی روک تھام کے لئے بھی ایک خاص جماعت ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۴) اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ کلمہ توحید "لاالہ الا اللہ ،محمدرسول اللہ" اپنے کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حقوق سے استخفاف کیے جانے کا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کھلم کھلا کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے (الحدیث)(۱) اس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں اب آپ ہی ذرا انصاف سے بتایئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے اور اس کو روکنے یا بند کرنے یا کم از کم تقلیل کی کوئی کوشش یا سعی ہے؟ ہرگز نہیں، ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالم میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا انعام حقیقی ہے، ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لئے کیا کچھ اسباب پیدا نہیں کر لئے۔

یہ حدیث حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے آج سے کوئی ۶۷ سال قبل لکھی تھی اس وقت تو اتنے گناہ عام نہیں تھے حتی کہ ریڈیو بھی اتنا عام نہیں تھا اور آج گناہوں کی بھر مار ہے، ٹیلی ویژن اور ویڈیو جیسے مہلک گناہ ہو رہے ہیں جو کہ اس وقت نہیں تھے، اب اس دور میں تو گناہ کا شیوع (پھیلاؤ) بڑھتا چلا جا رہا ہے، تو اس حالت میں منکرات پر روک ٹوک اور ضروری ہے۔ کام تو ہو رہا ہے مگر جس جس نوع کا مامورات پر کام ہو رہا ہے اس نوع کا منکرات کے لئے نہیں ہو رہا ہے، جب کہ یہ بھی فرض کفایہ ہے

---

(۱) الترغیب والترھیب، بروایت اصبہانی۔

اور ماموارت سے زیادہ ضروری ہے۔ ایک اور حدیث حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ نے ''فضائل تبلیغ'' میں نقل کی ہے۔ کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کا کوئی عذاب اگر زمین والوں پر نازل ہو اور وہاں کچھ دیندار لوگ بھی ہوں تو ان کو بھی نقصان پہونچتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں تو سب کو اثر پہونچتا ہے مگر آخرت میں وہ لوگ گنہگاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے''۔ (الحدیث)۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس لئے جو حضرات اپنی دینداری پر مطمئن ہو کر بیٹھے ہیں اس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدانخواستہ اگر منکرات کے اس شیوع پر کوئی بلا نازل ہوگئی تو ان کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے اس کو بھی حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے آپ کے چہرہ پر ایک خاص اثر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کلام نہیں فرمایا اور وضو فرما کر مسجد تشریف لے گئے، میں حجرہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا ''لوگو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو اور تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے (۲)، ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ فرمایا کہ ''کوئی آدمی کسی قوم میں ہو اور ان میں گناہ کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور نہ روکیں مگر اللہ تعالیٰ ان پر مرنے سے قبل عذاب پہونچا دیں گے۔ (۳)

---

(۱) اس حدیث کو الفاظ کے فرق کے ساتھ بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ (مرتب)

(۲) ابن ماجہ وابن حبان۔ (۳) ابوداؤد وابن ماجہ۔

ابوداؤد شریف میں یہ روایت موجود ہے اس حدیث کو سننے کے بعد سوچنے کہ ہمارا حال اس کے خلاف ہے یا موافق، فکر کی ضرورت ہے۔

ایک مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ظالم بادشاہ مسلط کردے گا، جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور تمہارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، اس وقت تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی تم مدد چاہوگے تو مدد نہ ہوگی مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ہوگی (۱) ایک اور حدیث درمنثور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ''تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب مسلط کردے گا پھر تم دعا مانگو گے تو دعا بھی قبول نہیں ہوگی''۔ (۲) (فضائل تبلیغ)

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ یہاں پہونچ کر اول ہم لوگ یہ سوچ لیں کہ اللہ کی کس قدر نافرمانی کرتے ہیں، پھر معلوم ہوجائے گا کہ ہماری کوششیں بیکار کیوں ہوجاتی ہیں، ہماری دعائیں بے اثر کیوں ہورہی ہیں، ہم ترقی کے بیچ بورہے ہیں یا تنزلی کے (فضائل تبلیغ)۔

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کررہا تھا کہ جس نوع کے کام کی ضرورت ہے اس نوع کا کام نہیں ہورہا ہے، اس وجہ سے گناہوں میں کمی نہیں آرہی ہے، جب تک کہ گناہ بند نہیں ہوں گے مصائب کا سلسلہ جاری رہے گا، اس لئے کہ فیصلے مسلمانوں کے اعمال پر اترتے ہیں، اور منکرات کا کام ماموروات سے بھی زیادہ ضروری ہے جیسے کہ صحت کے لئے موسم کے لحاظ سے غذا ضروری ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ پرہیز اور احتیاط کی جائے ورنہ غذا اور مقویات کا فائدہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایمانی اعتبار سے انفرادی واجتماعی زندگیوں میں طاعات کے فوائد یا تو ظاہر ہی نہیں ہوں گے

---

(۱) ''فضائل تبلیغ'' از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔

(۲) ابن ماجہ وابن حبان۔

اور اگر ہوئے بھی تو مکمل فوائد ظاہر نہیں ہوں گے، جس کے لئے ''حدیث ریا'' شاہد ہے کہ ایک سخی، ایک عالم اور ایک مالدار نے اپنی ساری زندگی دینی کاموں میں خرچ کردی تھی مگر محض ریا (دکھاوے) کی وجہ سے وہ برباد ہوگیا۔

میرے عزیزو! جن علاقوں میں یہ کام نہیں ہو رہا ہے وہاں فرض کفایہ ہے اور جہاں ہو رہا ہے وہاں بقدر ضرورت اضافہ بھی ضروری ہے، اس کا سب کو اندازہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے خطبہ میں لکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ الْقُطْبَ الْاَعْظَمَ فِی الدِّیْنِ وَبَعَثَ لَهُ النَّبِیِّیْنَ اَجْمَعِیْنَ ، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قطب اعظم ہیں (اور اس کے لیے اللہ نے اپنے سارے نبیوں کو مبعوث کیا) اس سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چند گناہ بتائے جاتے ہیں جن سے بچنا از حد ضروری ہے مثلاً

(۱) ترکہ نہ دینا۔ (۲) بہن بیٹی کا حصہ نہ دینا۔ (۳) شرعی پردہ نہ کرنا۔ (۴) داڑھی منڈوانا یا ایک مشت سے کم ہونے پر کتروانا۔ (۵) غیبت کرنا۔ (۶) بدگمانی کرنا۔ (۷) حسد کرنا۔ (۸) سود لینا۔ (۹) دھوکہ دینا۔ (۱۰) کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا وغیرہ جس کو اور تفصیل کے ساتھ حیوۃ المسلمین میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے زمانے میں بھی اس کام کی کمی تھی، جماعتی انداز پر کام نہیں تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت نور اللہ مرقدہ نے مجلس دعوۃ الحق کو اسی لئے قائم فرمایا، اس سلسلے میں کام شروع کیا گیا۔

آج ماشاء اللہ اچھائیوں پر محنت اور اس کی دعوت کا کام مختلف انداز سے ہو رہا ہے، مگر برائیوں کی اصلاح اور گناہوں سے نفرت کا مزاج بنانے اور معاشرہ کو اس سے پاک وصاف کرنے کا کام جیسا ہونا چاہیے اس کے لئے جیسی فکر و کوشش ہونی چاہیے اس میں کمی ہو رہی ہے، ایسے موقعہ پر آپ حضرات کا اس کام کی طرف متوجہ ہونے اور اس

کے لئے خاص سعی وکوشش کرنے سے بہت مسرت ہوئی اور مزید فکر کی ضرورت ہے۔ بارك الله، تقبل الله، اللہ تعالیٰ اصول وہدایات کے موافق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اجتماع کے شرکاء میں سے ہر شخص میں یہ فکر ہونی چاہئے کہ اپنے اپنے علاقے میں جیسی ضرورت ہو اس کے مناسب کام کرے، مجموعہ رسائل دعوۃ الحق ہر کام کرنے والے کے پاس ہونا چاہئے اور اس کے موافق کام کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، مجموعہ رسائل دعوۃ الحق کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) دعوة الداعي وتفهيم المسلمين وتعليم المسلمين کا مجموعہ جو کہ دعوۃ الداعی کے نام سے شائع ہوا ہے، یہ رسالہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا مرتب کردہ ہے۔

(۲) اشرف الهدايات لاصلاح المنكرات ۔ جس میں تبلیغ کی شرعی حیثیت اور اس کے احکام وآداب کو مرتب کیا گیا ہے، مرتب کردہ احقر۔

(۳) اشرف النظام ، جس میں گھر اور باہر کی اصلاح وتبلیغ کا طریقہ اور اس کے لئے ہدایات بیان کی گئی ہیں ۔ مرتب کردہ احقر۔

(۴) اشرف النصائح ۔ جس میں کام کرنے والوں کی خصوصیات اور ان کو کن امور کا اہتمام کرنا چاہیے ان چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے، مرتب کردہ احقر۔

(۵) اشرف الخطاب ۔ جس میں معروف کی دعوت اور منکر کی اصلاح کے وقت کس طرح گفتگو کرنا چاہئے ان چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ مرتب کردہ احقر (۱)۔

آپ حضرات کے جملہ مقاصد اور فلاح دارین کے لئے دعا کرتا ہوں''۔

---

(۱) احقر کا لفظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تواضعاً استعمال فرماتے تھے، مشائخ کا اپنا الگ الگ اس میں معمول رہا ہے، حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ ''فقیر'' کا لفظ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ''ننگ اسلاف''، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ ''ہیچمدان''، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ ''العبد الضعیف''، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ ''بندۂ عاجز'' لکھتے ہیں۔ اور بعض مشائخ نے ناچیز اور ناکارہ کے الفاظ اپنے لیے استعمال کیے۔

ایک اہم ہدایت نامہ

موجودہ پریشانیوں کے حل کا سہل نسخہ

(۱) ایک گناہ اور ایک سنت روزانہ یاد کرنا اور آپس میں گھر کے لوگوں کا بھی دور کرنا اور اگلے روز اس کے سننے سنانے کا بھی نظام قائم کرنا، یاد نہ ہونے پر سبق آگے نہ دینا جو یاد کرایا ہے وہ یاد ہو جانے پر آگے سبق دیدینا۔

(۲) ہر شخص کو تین سو مرتبہ کلمہ شریف، تین سو مرتبہ درود شریف، تین سو مرتبہ استغفار کا پڑھنا، اگر کسی روز کوئی عذر ہو تو اس کا دسواں حصہ پڑھنا۔

(۳) تعلیم الدین، حیوٰۃ المسلمین، جزاء الاعمال، حقوق الاسلام، حکایات صحابہ(۱) میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ گھروں میں بھی سننے سنانے کا اہتمام کرنا، اور حیوٰۃ المسلمین سے گناہوں کا بیان بھی تھوڑا تھوڑا ضرور سننا سنانا۔

(۴) اہل علم حضرات و مشائخ سے ملنے جلنے کا اہتمام رکھنا۔

(۵) روزانہ ہر شخص نماز کے اوقات میں یہ سوچا کرے کہ ایک دن ہم کو یہاں سے جانا ہے اور اس کی کیا تیاری کی ہے۔

(۶) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان لوگوں کا جماعت سے نماز کی پابندی کرنا اور اس کی نگرانی کا نظام بنانا۔

---

(۱) اول الذکر کتابیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ہیں۔ آخر الذکر کتاب حکایات صحابہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی ہے، جو ''فضائل اعمال'' کا جزء ہے۔

(۷) ہر ضرورت کے لئے دعا کا اہتمام کرنا، اپنی اصلاح اور گھر والوں اور بستی والوں اور سارے عالم والوں کی اصلاح کے لئے بھی دعا کرتے رہنا۔

(ابرار الحق)
ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۰۲ء

باب نہم
کتب ورسائل

کتب ورسائل کا مختصر تعارف

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں، تصنیفات اور رسائل کا جائزہ لیا جائے تو ان میں دعوتی واصلاحی مضامین کا عنصر نمایاں نظر آئے گا، ان کی ساری تالیفات کا تو یہاں احاطہ نہیں کیا جاسکتا البتہ وہ کتب ورسائل جن سے ہمیں واقفیت حاصل ہوئی ان کا ایک تعارف پیش کیا جاتا ہے، مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری نے اپنی کتاب ''علمائے مظاہر علوم اوران کی علمی وتصنیفی خدمات'' میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے، مولانا کے افادات وتعلیمات پر مشتمل دو کتابیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن میں ایک کتاب وہ ہے جو انہوں نے دین کی ضروری باتوں سے واقفیت کے لئے مختصر سے مختصر وقت میں بطور سبق کے مرتب کی جو ''ایک منٹ کا مدرسہ'' کے نام مشہور ہوئی، اس میں مولانا کی تعلیمات وافادات کے مرتب مولانا کے ممتاز مسترشد اور نامور شیخ طریقت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دام مجدہ ہیں، دوسری ''مجالس ابرار'' ہے اس کے بھی مرتب مولانا حکیم محمد اختر صاحب ہیں، یہ دونوں کتابیں بڑی مقبول ہوئیں۔

(۱) اشرف الہدایات لاصلاح المنکرات

اس کتاب میں تبلیغ کی اہمیت وفرضیت اور تبلیغ کے فضائل وآداب کو جمع کیا گیا ہے، اس کا سن تالیف ۱۳۷۳ھ اور صفحات ۹۶ ہیں، اس کی ایک اشاعت ''احکام تبلیغ کیا ہیں؟'' کے نام سے بھی ہوئی ہے۔

(۲) امت کی پریشانی اور انحطاط کا سبب اور اس کا علاج

دینی مدارس، مکاتب کا انتظام اور مساجد کے انتظامات درست نہ ہونے کی وجہ سے امت میں جو فساد اور بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، مولانا نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی اصلاح

کی صورتیں تحریر فرمائی ہیں، ۱۶ اصفحات کا یہ رسالہ ہے جو ۱۳۹۵ھ میں شائع ہوا۔

(۳) اشرف النصائح

اس رسالہ میں نیک و دیندار بننے، وعظ و تبلیغ کہنے اور دین سکھانے والوں کے لئے ضروری ہدایات جمع کی گئی ہیں، جن کا جاننا ہر مسلمان و مبلغ کے لئے ضروری ہے، ۱۳۷۰ھ میں پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

(۴) اشرف الاصلاح

اس رسالہ میں اپنی اصلاح کی اہمیت، اپنے متعلقین و ماتحتوں کی نگرانی و اصلاح کی فرضیت و اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اس کو موثر و مفید طریقہ سے واقف کرایا گیا ہے۔

(۵) اشرف النظام

اس کتاب میں دین کے جماعتی کام کے ضروری اور مفید اصول لکھے گئے ہیں، نیز اپنی اولاد، اہل خاندان، اہل محلہ، شہر بستی اور بیرونی بستیوں کی اصلاح و درستگی کی آسان تدبیریں جمع کر دی گئی ہیں، اور اس کے طریقوں سے واقف کرایا گیا ہے، ۱۳۷۰ھ میں یہ رسالہ تالیف کیا گیا، صفحات ۱۶ ہیں۔

(۶) اشرف الخطاب

اس کتاب میں کلمۂ طیبہ کی درستگی، نماز با جماعت، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی، حج، روزہ وغیرہ سے متعلق خطاب کرنے کے طرز کو مرتب کیا گیا ہے، تاکہ داعی اور مبلغ حضرات عوامی تبلیغ کے مفاسد اور حدود شکنی سے اور عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں، ۱۳۷۰ھ میں یہ رسالہ لکھا گیا، ۱۶ اصفحات اس کے ہیں۔

(۷) اذکارِ مسنونہ

یہ مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے، اس میں ان دعاؤں کو بطور خاص لیا گیا ہے جو مختصر اور جامع ہیں اور سنت سے ثابت ہیں، چھوٹے سائز کی یہ کتاب ۶۴ صفحات کی ہے، ۱۳۶۸ھ میں ترتیب دی گئی۔

(۸) اصلاح الغیبۃ

اس کتاب میں غیبت کے نقصانات، اس کا شرعی وفقہی حکم، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اس کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۹) اشرف التفہیم

طلبہ و مدرسین کے لئے اس کتاب میں ان نصائح کو جمع کیا گیا ہے جن پر عمل کرنے سے طلبہ اور اساتذہ کی تکمیل ہوتی ہے، اس کتاب کا پورا نام "اشرف التفہیم لتکمیل التعلیم" ہے۔

(۱۰) تعمیم الاصلاح

اس میں اپنی ذات اور امت مسلمہ کی اصلاح کی ضرورت اور اس کا آسان نسخہ بتایا گیا ہے، یہ ایک وعظ تھا جو ستمبر ۱۹۹۴ء کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں دیا گیا، اور استاد جامعہ مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی (۱) نے اسے مرتب کر کے مکتبہ فیض ابرار سے شائع کرایا۔

(۱۱) نصیحت الابرار

اس میں اتباع سنت اور ازالۂ منکرات کے لئے اجتماعی جدوجہد پر مخصوص اور مؤثر انداز میں زور دیا گیا ہے، اور امت کے زوال وانحطاط اور مصائب وآلام سے دوچار ہونے کے

---

(۱) مؤلف "سیرت سلطان ٹیپو شہید" ودیگر کتب۔

اسباب کو بیان کر کے اس کا طریقہ علاج بتایا گیا ہے، یہ بھی ایک وعظ تھا جو وانمباڑی (آندھرا پردیش) میں علماء واساتذہ کرام کے بڑے اجتماع کے موقع پر دیا گیا۔

(۱۲) مواعظ ابرار

یہ چالیس صفحات کا رسالہ ہے جو حضرت مولانا کے دو رسائل ''تعیم الاصلاح'' اور ''نصیحت الابرار'' کا مجموعہ ہے، اسے جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

(۱۳) طریق الصبر

اس رسالہ میں پریشانیوں وآزمائشوں کے موقع پر تسلیم ورضا سے کام لینے، اور اپنے رب کی طرف لولگانے اور اس پر جو بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے اس پر یقین رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، مضمون بڑا موثر ہے۔

(۱۴) علاج الغم والحزن

اس میں صدمات کے موقع پر ثابت قدم رہنے کے لئے علاج بتایا گیا ہے۔[۱]

(۱۵) مجالس ابرار

یہ حضرات محی السنۃ علیہ الرحمہ کے رسائل اور مواعظ وملفوظات کا مجموعہ ہے جسے ان کے مسترشد وخلیفہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے مرتب کر کے شائع کرایا، جس میں ان کے اہم رسائل (۱) اشرف النظام (۲) اشرف النصائح (۳) اشرف الاصلاح (۴) دافع الغم (۵) احکام تبلیغ (۶) اصول فلاح دارین (۷) اشرف الخطاب (۸) امت کی پریشانی اور انحطاط (۹) اصول زریں برائے طلبا ومدرسین (۱۰) اغلاط النکاح وغیرہ شامل ہیں، کل صفحات ۵۹۲ ہیں، پاکستان وہندوستان سے اس کے مختلف ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

(۱۶) اصول فلاح دارین

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے وصایا اورنصائح اورمشوروں کوانتخاب وتلخیص کےساتھ پیش کیا گیا ہے۔

(۱۷) تحفۂ احقر

اس میں اپنی اصلاح کا آسان نسخہ تجویز کیا گیا کہ تھوڑی سی توجہ اور ہمت سے کامیابی کی امید حاصل کی جاسکتی ہے، اس میں حضرت حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب جزاءالاعمال سے استفادہ کرکے ہدایات دی گئی ہیں، اور یہ ہدایات ایسی ہیں جن پرعمل کرکے اللہ کا قرب وولایت حاصل کی جاسکتی ہے، یہ مضمون حضرت محی السنہ کا پسندیدہ مضمون تھا، آخر زمانۂ حیات میں اخلاص ومحبت سے آنے والوں کوبطور تحفہ خصوصیت سے عنایت فرمایا کرتے تھے۔

(۱۸) سبیل النجاۃ

جہنم سےنجات اورعذاب ومصائب سے خلاصی کا کیاراستہ ہے؟اس میں بتایا گیا ہے۔

(۱۹) سبیل الفلاح

دنیوی واخروی فلاح اور کامیابی کےاعمال اورصحیح عقیدہ وفکرکی طرف اس میں توجہ دلائی گئی ہے۔

(۲۰) تعلیم السنۃ

یہ بھی ایک وعظ تھا جو رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، اس میں ظاہری وباطنی سنتوں کواختیار کرنے اوردوسروں کواس کی ترغیب دینے کی ضرورت واہمیت بتائی گئی ہے۔

(۲۱) ایک منٹ کا مدرسہ

"الـدین یسر" کی تعلیم نبوی کوملحوظ رکھتے ہوئےتھوڑی فرصت والوں کے لئے خاص

تحفہ کے طور پر محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب مرتب کی گئی، حضرت مولانا کی تعلیمات وافادات جو وضو، نماز، کھانے پینے، سونے جاگنے اور مسجد آنے جانے سے متعلق سنتوں کا استحضار رکھنے کے سلسلہ کے ہیں اس میں جمع کردیے گئے، حضرت مولانا کی نگرانی میں جمع وترتیب کا کام ان کے خلفاء مولانا حکیم محمد اختر صاحب (کراچی) اور مولانا عبدالرؤف صاحب سنسار پوری، (نائب ناظم اشرف المدارس ہردوئی) نے انجام دیا ہے، یہ کتاب ایک سوبیس اسباق پر مشتمل ہے، ان اسباق میں وضو، نماز مسجد سے متعلق سنتوں کے ذکر کے ساتھ بڑے گناہوں کا ذکر جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، گناہوں کے نقصانات کا بیان ہے جو دنیا میں پیش آتے ہیں، نیکیوں اور طاعات کے فوائد وثمرات کا ذکر ہے جو دنیا میں ملتے ہیں اور آخرت میں طاعات کے جو فائدے حاصل ہوں گے ان کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اسی طرح قرآن پاک کی سورتوں، اوراد کا رو تسبیحات کے اثرات وفوائد کا بھی ذکر ہے، مثلاً حدیث پاک میں ہے، ''جو شخص شروع دن میں سورہ یٰسین پڑھ لے اس کی تمام حاجتیں پوری کی جائیں گی''، اسی طرح طاعات کے فائدوں میں مثلاً بری حالت پر موت نہیں ہوتی، اور عمر میں برکت ہوتی ہے، گناہوں کے نقصانات مثلاً بسا اوقات نیکیوں کے فائدے بھی رخصت ہوجاتے ہیں۔ بعض بڑے گناہ کا ذکر مثلاً لڑکیوں کو میراث کا حصہ نہ دینا، کوئی بھی فرض چھوڑ دینا، کسی مسلمان کو بے ایمان کہنا وغیرہ، سنتوں کے بیان میں عورتوں اور مردوں دونوں کا خیال رکھا گیا ہے، مثلاً عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے مرد کی طرح کانوں تک نہ اٹھائے۔

یہ کتاب مولانا حکیم محمد اختر صاحب دام مجدہ نے ۱۴۱۰ھ - ۱۹۸۹ء میں ترتیب دی تھی مگر ترتیب جدید کا کام حضرت مولانا ابرار الحق صاحب حقی علیہ الرحمہ کے حکم سے مولانا عبدالرؤف صاحب سنسار پوری مدظلہ نے رجب ۱۴۱۱ھ، فروری ۱۹۹۱ء کو انجام دیا، اور یہ دن

جمعہ کا مبارک دن تھا، ۱۲۰ اسباق کی یہ کتاب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پسندیدہ کتاب تھی جس کو وہ چاہتے تھے کہ مسجدوں، مدرسوں، مجلسوں اور گھروں میں اس کی ایک ایک بات روز سنادی جایا کرے، اس طرح ایک سال میں ۳۶۰ سنتیں ایک شخص کو یاد ہو جایا کریں گی، یہ ایک سو بیس اسباق ایک سو بیس صفحات میں ہیں۔

(۲۲) اصلاح ظاہر و باطن (۲۳) اصلاح باطن کی اہمیت (۲۴) ہماری تباہی اور اس کا حل یعنی مسلمان کیا کریں؟ (۲۵) اصول الفلاح (۲۶) فیض الحرم (۲۷) خصائص مومن

یہ وہ رسائل ہیں جن میں سے ہر ایک رسالہ ایک مومن کو کامل مومن بنانے اور ایک مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲۸) حج کے خاص اور اہم حقوق

یہ منیٰ کا ایک خطاب ہے، جسے حضرت مولانا نے اپنے ایک حج کے موقعہ پر دیا تھا، اس میں بیت اللہ شریف کی حاضری جو کہ ولایت کا مختصر راستہ ہے، اس کے برکات وفوائد، حاجی کا بلند مقام اور اس کی ذمہ داری، اس کے ذریعہ صلاح وتقویٰ، دینی ذوق وشوق، عشق ومحبت الٰہی کے پاکیزہ جذبات، ایمانی اخلاق وعادات، اسلامی سیرت وکردار کے حصول وبقا کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس کے ۹۶ صفحات ہیں۔

(۲۹) اسلامی عقائد

یہ کتاب حضرت مولانا کی اپنی تصنیف نہیں ہے، ان کے اشراف وتوجیہ میں ان کے تربیت یافتہ دو عالموں مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب اور مفتی عبید الرحمٰن صاحب نے مرتب کی ہے، اس میں اللہ اور اس کی صفات، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، قیامت اور تقدیر کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کو آسان زبان میں ذکر کیا گیا ہے، آخر میں اسمائے حسنیٰ مع ترجمہ کے پیش کیے گئے ہیں، ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ ایسا ہے کہ اس کی ضرورت بقول

حضرت محی السنۃ:

''سب ہی کو ہے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے''۔

حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اس مجموعۂ عقائد کی اہمیت کو باور کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مکاتب دینیہ کے بچوں کے لئے اس کا پڑھانا اور یاد کرانا اہم اور ضروری معلوم ہوتا ہے، نیز عامۃ المسلمین کو بھی اس سے استفادہ کرنا چاہیے، اس مجموعہ کا نام ''اسلامی عقائد'' تجویز کرتا ہوں'' (ماخوذ از کتاب ہٰذا)

یہ مجموعۂ ایمانیات وعقائد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہم اللہ کی تحقیقات وافادات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اور مجلس اشاعت الحق لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

(۳۰) اسعد الابرار

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھنؤ کے زمانۂ قیام (۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء) میں جناب سید مقبول حسین وصل بلگرامی صاحب نے حضرت کے ملفوظات عالیہ کو ضبط تحریر میں لانے کا خصوصیت سے اہتمام کیا، مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کو اس کی ذمہ داری دی گئی، حضرت تھانوی نے مولانا جمیل احمد صاحب کے ضبط تحریر میں لائے گئے ملفوظات کا نام ''جمیل الکلام'' تجویز کیا، اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کے قلمبند کیے ہوئے مجموعہ کا نام ''نزول الابرار'' رکھا، نزول الابرار پر مولانا اسعد اللہ صاحب نے نظر ثانی فرمائی اس کی مناسبت سے حضرت تھانوی نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ''اسعد الابرار'' نام تجویز کیا، ان دونوں کا مجموعہ لکھنؤ اور لاہور کے سفروں کی روداد کے ساتھ جو جناب وصل بلگرامی کے قلم سے ہے ''سفرنامۂ لاہور ولکھنؤ مع ملفوظات حکیم الامت......'' کے نام سے مکتبہ اشرفیہ لاہور سے شائع کیا ہے۔

(۳۱) تحفۃ الابرار

۱۲۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ان پرچوں کا مجموعہ ہے جو لوگوں کی اصلاح کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ شائع کرا کر تقسیم کرایا کرتے تھے، جیسے اصلاح معاشرت، اصلاح الغیبت، اصلاح معاملات، اغلاط النکاح، احکام شب برأت، فضائل واحکام رمضان المبارک، اعتکاف، تراویح، مسائل عید، احکام صدقۂ فطر، احکام عیدالاضحیٰ، قربانی، مسواک، مساجد، تہجد، توبہ، احکام تبلیغ وغیرہ، یہ پرچہ جات مجلس دعوۃ الحق ہردوئی نے شائع کیے تھے، ان کا مجموعہ ''تحفۃ الابرار'' کے نام سے مکتبۂ اشرفیہ اشرف المدارس ہردوئی نے شائع کیا ہے، اس کے مرتب مولانا محمد یامین مفتاحی صاحب ہیں۔

باب دہم
تأثرات: مشاہیر، معاصرین، متوسلین و متعلقین رسائل وجرائد اور حصۂ نظم

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ وناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

''عہد حاضر کے عظیم المرتبت بزرگ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں آخری بزرگ شخصیت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی رحلت سے لاکھوں انسانوں کو بڑے صدمے اور عظیم سانحہ کا سابقہ پڑا ہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب اپنے عظیم رفقاء میں آخری شخصیت رہ گئے تھے، اور بے شمار انسانوں کو ان کی تربیت اور دینی توجہات سے فیض پہونچ رہا تھا، ہندوستان، پاکستان، اور افریقہ میں ان کے لاکھوں معتقدین کو ان کی برکات حاصل ہو رہی تھیں اور اس طریقے سے ہردوئی دینی رہنمائی اور تربیت کا مرکز بنا ہوا تھا، احیائے سنت سے ان کو شغف تھا، وہ سنت کے خلاف کوئی معمولی بات بھی برداشت نہیں کرتے تھے، دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے مدارس قائم کرنا بھی ان کا بڑا ذوق تھا، لوگ کثرت سے ان سے دعا لینے کے لئے پہونچتے تھے، اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلے میں کوئی چارہ نہیں، گذشتہ مدت میں بڑی عظیم شخصیتیں رخصت ہوئیں، ان میں مولانا کی ذات والا صفات ہی اب رہ گئی تھی''۔(۱)

مولانا حکیم محمد اختر کراچوی

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

''احیائے سنت، قرآن پاک کی خدمت، تجوید وقرأت کی تصحیح اور تزکیۂ واصلاح کا جو عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، اور شاید اسی کی بشارت حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھی کہ ''مولانا ابرار الحق صاحب سے اللہ تعالیٰ دین کا بہت بڑا کام لیں گے''۔(۲)

---

(۱) ''تعمیر حیات'' ۲۵/جولائی ۲۰۰۵ء۔

(۲) ''امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت'' از مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی، صفحہ: ۴۸۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ

سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند

''مولانا ابرارالحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کے جدا ہو جانے سے بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، ان کی اصلاح کا ایک خاص طرز تھا جس کے ملک و بیرون ملک میں بڑے اثرات مرتب ہوئے''۔(۱)

مولانا سید نظام الدین

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

وامیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ

''حضرت (مولانا ابرارالحق صاحب حقی) اپنے علم و فضل اور اخلاص وللہیت کے اعتبار سے علماء ومشائخ کی جماعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، مزاج میں تواضع وخاکساری تھی، تفوق وتعلّی کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا، اصول پسندی، وقت کی پابندی اس درجہ تھی کہ اس سے ذرہ برابر سرِ موانحراف نہ کرتے''۔(۲)

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (مکہ مکرمہ)

سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

ایک شیخ کامل کی وفات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷؍مئی ۲۰۰۵ء کو بعد نماز عشاء واصل بحق ہوئے، خانقاہ اشرفیہ ہردوئی سے جو اطلاعات ملیں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت کو پہلے سے کوئی خاص تکلیف نہیں تھی، یوں پیری اور ضعف تو طبعی چیز ہے، عمر بابرکت نوے کے لگ بھگ یا زیادہ

---

(۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۱۹؍مئی ۲۰۰۶ء۔ (۲) روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۱۹؍مئی ۲۰۰۶ء۔

تھی، حضرت تھانوی کے حلقہ کے سب سے بڑے شیخ تھے، اور آپ کے خلفاء کی تعداد بھی بہت ہے جو آپ کی زندگی میں تزکیہ اور روحانیت کی دعوت کا کام انجام دیتے رہے، حضرت شاہ ابرارالحق صاحب کا خاص مذاق سنت نبوی کا اتباع تھا، اپنے مریدوں اور ملنے والوں اور ان لوگوں کو جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کو سنت کی تاکید فرماتے، سنت سے آپ کو اتنا شغف تھا کہ اہل اللہ کے حلقہ میں آپ کو ''محی السنۃ'' کہا جاتا تھا۔ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' کے نام سے آپ کی کتاب کافی مقبول ہوئی۔

ہر موقع کے لئے سنت کی اتباع کا خاص اہتمام فرماتے اور مطبوعہ احادیث کے مجموعے اپنے نیاز مندوں کو بھیجا کرتے تھے، شادی، موت اور پیدائش کے موقعوں پر آپ کا ہدایت نامہ بڑی ہدایت کا سامان اپنے ساتھ رکھتا تھا معلوم ہوا کہ آپ کو کوئی خاص تکلیف نہیں تھی، بس ایک باطنی سی کیفیت ہوئی اور دس منٹ کے اندر آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ اللهم اغفرله وارحمه وادخله جنات النعيم "(آمین)(۱)

مولانا محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند وصدر کل ہند مسلم مجلس مشاورت

''حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ وفات ایک یادگار تاریخی دور کا خاتمہ ہے، یہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے آخری خلیفہ تھے، جن کو حق تعالیٰ نے بفیضان حکیم الامت ''شوق عبادت'' اور ''ذوق خدمت خلق'' سے نوازا تھا، اول الذکر شوق عبادت کی تکمیل کے لئے حضرت موصوف نے اتباع سنت کے اہتمام کو اپنایا، اور ثانی الذکر ذوق خدمت خلق کے لئے ''تعلیم قرآن'' کو منتخب فرمایا، مخلصانہ عبادت رب کریم کی برکات نے تعلیم قرآن کریم کے طرز مخصوص کو قبولیت عامہ اور قبولیت تامہ عطا فرمائی چنانچہ جتنے مدارس حضرت مرحوم نے قائم فرمائے ان سب کا عملی طرۂ امتیاز براہ راست

(۱) تعمیر حیات بحوالہ سابق۔

معلمین میں اور بواسطۂ معلمین متعلمین میں بیشتر زندگی کے اعمال میں اتباع سنت کا اہتمام بنا، جس کی آج کے بے لگام دور میں غیر معمولی کامیابی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمال اخلاص کے علاوہ کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے ان کے مدارس سے قرآن کریم پڑھ کر نکلنے والوں میں اس اتباع سنت کے ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے دینی ذوق بہر حال راسخ نظر آتا ہے"۔(۱)

مولانا انظر شاہ کشمیری

ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند (وقف)

"حضرت مولانا (ابرارالحق صاحب ہردوئی) کی ابتدائی زندگی کی مشکلات وپریشانی کم ہی لوگوں کے علم میں ہوں گی، لوگ تو ان کی آخری زندگی کی مقبولیت ومرجعیت ہی کو دیکھ رہے تھے، لیکن یہ حقیر فقیر مولانا کو بہت دنوں سے جانتا پہچانتا ہے، نہ تنگی پریشانی میں اپنے مشن سے ایک لحہ غافل رہے، اور نہ ہی آسائش اور راحت میں اس سے ادنیٰ درجہ کی بے اعتنائی گوارہ فرمائی، حدیث شریف میں اس عمل کو "خیرالاعمال" کی سند عطا ہوئی ہے جو تسلسل واستمرار سے جاری رہے.........مولانا نے اپنے مرشد حکیم ودانا کی ہدایات پر مجلس دعوۃ الحق اور پھر اشرف المدارس کے ذریعہ جس مشن کو سنبھالا اسے حالات کی مخالفت ومساعدت ووسائل کی تنگی وفراخی ہر دو حال میں پورے عزم وحوصلہ جذبۂ وولولہ کے ساتھ جاری رکھا" (حیات ابرار ص ۵۳۸، مولفہ مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی)

مولانا مجیب اللہ ندویؒ

بانی وناظم اول جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

"وہ خانوادۂ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے فرد فرید تھے، اور اسی نسبت سے ان کا

---

(۱) آئینہ مظاہر علوم "محی السنہ نمبر"، صفحہ:۳۵۔

خانوادہ ''حقی'' لکھتا ہے، اور حق تو یہ ہے کہ اس مادی دور میں حق ہی کے وہ علم بردار تھے، اور مدت العمر خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے رہے، ان میں بچپن ہی سے فطری آثار کمال، صالحیت اور شائستگی کے جوہر نمایاں تھے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حکیم الامت کے سب سے کم عمر مجاز بیعت وارشاد تھے، دور طالب علمی ہی میں خانقاہ تھانہ بھون حصول فیض کے لئے جانے لگے، تحصیل علم اور تکمیل کے بعد علوم دینیہ کے درس وتدریس کے ذریعہ خدمت دین کا آغاز فرمایا، درس وتدریس کے علاوہ اصلاح وتزکیۂ نفس اور تصوف وسلوک کی تعلیمات بے شمار افراد نے حاصل کیں، آخر دم تک ان کا چشمۂ فیض جاری رہا۔ آہ! ایسا روشن چراغ بجھ گیا" وان الابرار لفی نعیم "(۱)

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء وایڈیٹر البعث الاسلامی

''.........اولیاء اللہ، اصحاب قلوب، اور بزرگان ملت کے سلسلہ کی ایک کڑی حضرت بھی تھے، جن کی نمایاں خصوصیت سنت کی اتباع تھی، سنت کی اتباع ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرچکی تھی، انہوں نے ان سنتوں کو جو کہ تقریباً متروک ہوچکی تھیں زندہ کیا، ان کے فیض سے بہت سے لوگوں کی زندگی تبدیل ہوگئی۔

......ان کا چہرہ نہایت ہی حسین، تروتازہ اور مسکراتا ہوا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت کلام کرنا چاہتے ہوں، اور ان میں زندگی کی رمق باقی ہو''۔(۲)

مولانا برہان الدین سنبھلی

صدر شعبۂ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

''.........انتقال کے بعد ان کا چہرہ ایسا لگ رہا تھا جیسا کہ وہ آیت "وُجُـــــوْهٌ

---

(۱) ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۵ء۔

(۲) ''تعمیر حیات'' شمارہ ۲۵ رمئی ۲۰۰۵ء۔

یَوۡمَئِذٍ مُسۡفِرَۃٌ" کی عملی تفسیر ہو۔(۱)

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ

''حضرت والا کے وصال کے وقت چہرۂ انور پر انوار کی بے پایاں بارش ہو رہی تھی جو صرف خواص علمائے امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا ہے، اس کے آثار نمایاں درخشاں تھے۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ اس دور اخیر میں اپنے پیش رو علماء ومشائخ اور حضرت حکیم الامت تھانوی کی آخری یادگار تھے، ان کی مجلسین بڑی پُرکشش تھیں، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہو رہی ہے، جو بھی اس میخانہ میں شریک ہوتا تھا وہ کچھ لے کر وہاں سے واپس ہوتا۔

پوری زندگی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ اور دعوت کو پھیلانے میں صرف کی، تجوید وقرأت جو علماء وخواص میں متروک ہو رہی تھی اس کا حضرت کے ذریعہ احیاء ہوا، اس لئے حضرت والا کا ''محی السنۃ'' کا لقب برمحل اور مناسب تھا، اس آخری عہد میں حضرت والا کی ذات گرامی علماء ومشائخ، کا مرجع بن گئی تھی، جہاں جاتے، لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔

افسوس کہ یہ آخری یادگار ہم سب سے رخصت ہوئی، جہاں کی حاضری سے دل کو درماں، روح کو فرحت، دماغ کو سکون حاصل ہوتا تھا، ذکر وعبادت دعا وتلاوت میں خاص کیفیت پیدا ہو گئی تھی''۔(۲)

مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی

شیخ طریقت وناظم مدرسہ بیت المعارف الہ آباد

''............در حقیقت حضرت مولانا قدس سرہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کی

(۱) ''تعمیر حیات'' ۲۵ رمئی ۲۰۰۵ء۔ (۲) ''الشارق'' اعظم گڑھ، ۴۱-۴۵، شمارہ ۴، جلد ۸۔

خدمات دینیہ ساری امت میں اظہر من الشمس ہیں، اور صحیح معنوں میں آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب اور وارث تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد حسنہ یعنی تلاوت کلام اللہ، اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفوس کی خدمات پوری زندگی انجام دینے، نیز حدیث جبرئیل علیہ السلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اعمال اسلام، اور صفات ایمان، اور نسبت احسان کے معنی ومفہوم کی توضیح وتشریح بلکہ ان حقائق سے اتصاف کی طرف ترغیب وتحریض فرماتے رہے"۔(۱)

مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی

نائب صدر دار العلوم کراچی

"حضرت کا وجود اس آخری دور میں پوری امت کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھا، حضرت کی تعلیمات وہدایات کا فیض بحمد اللہ دنیا بھر میں پھیلا ہے، آپ کا سانحۂ ارتحال امت کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے"۔(۲)

مولانا عبد الاحد قاسمی تاراپوری

مدیر "صوت القرآن" احمد آباد گجرات

"آپ کی زندگی علم وعمل، فضل واحسان، تصوف وشریعت وطریقت سے عبارت تھی، آپ ایک ایسے نور تھے جس کے اوجھل ہوجانے کے بعد اب دور تک فضاؤں میں تاریکی نظر آرہی ہے، قرآن وسنت کے عملی پیکر، اور رشد وہدایت کے مجسم، پیغام حق ومعرفت کی آپ ایک ایسی آواز تھے جو اب کبھی نہ سنی جاسکے گی، علم وعرفان اور آگہی میں آپ کی شخصیت مسلم تھی جس میں تمام اوصاف کاملہ موجود تھے، اسی کے ساتھ آپ دنیا کی ہر چیز سے مستغنی تھے۔

---

(۱) "امت کی عظیم المرتبت شخصیت" از حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی، صفحہ:۴۶۔

(۲) آئینہ مظاہر علوم "محی السنہ نمبر" صفحہ:۳۱۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولیٰ صفات
ہردوجہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز‘‘(۱)

مولانا سید ذوالفقار احمد

شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر (گجرات)

’’حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت آج کے دورقحط الرجال میں ایک شمع فروزاں ونیرتاباں تھی، جس کی رشک آفتاب روشنی سے ساری دنیا فیضیاب تھی۔(۲)

متعلقین ومنتسبین کے تأثرات

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک دلنواز ودلآویز شخصیت بنایا تھا، سنت کی فکر ان پر غالب رہتی تھی دوسری طرف دوسروں کی پریشانیوں کو دور کرنے اور مسائل حل کرنے کا جذبہ ان کے اندر موجزن تھا، دین کی نسبت سے ایک دوسرے کا خیال اوراحترام انسانیت ان کے اوصاف وخصوصیات تھیں، اصلاح کی فکر انہیں دامن گیر رہتی تھی طلباء کی اصلاح وتربیت کے لئے وہ طریقے اختیار کرتے تھے جن سے ان کی اصلاح بھی ہوجائے اور زیادتی نہ ہونے پائے، حافظ فضل الرحمٰن منیری صاحب (۳) (صاحبزادہ گرامی الحاج محی الدین منیری بھٹکلی مرحوم) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طلبہ کی اصلاح وتربیت سے متعلق بات بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں یہ شکایت پہونچی کہ فلاں طالب علم نے استاد کے منہ پر جواب دیا ہے، مولانا چاہتے تو اس طالب علم کو بلاکر تنبیہ وتادیب کرسکتے تھے مگر یہ طریقہ اختیار کیا کہ سبھی ساتھیوں (طلبہ) کو جمع کیا اوراس طالب علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ان کی

---

(۱) ’’حیات ابرار‘‘ از مفتی محمد فاروق میرٹھی۔
(۲) ’’امت کی عظیم المرتبت شخصیت‘‘ از حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی، صفحہ:۱۹۔
(۳) موصوف نے ۱۹۷۲ء میں ہردوئی میں مولانا کے زیرنگرانی تعلیم حاصل کی تھی۔

عادت استاد کے منھ پر جواب دینے کی ہوگئی، تم سب دعا کرو کہ یہ بری عادت ان سے دور ہوجائے، اوران پرایک ایک دم کرتا جائے، ایک ایک طالب علم آتا اور دم کر کے جاتا، کوئی تھوک بھی دیتا، بات ختم ہوگئی مگراس طالب علم کی ایسی اصلاح ہوئی کہ پھراس نے یہ غلطی نہیں دہرائی۔ اسی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ وہ شریر طلبہ کواپنے ساتھ دورے وغیرہ میں کرلیتے، اس کا بھی اثر یہ پڑتا کہ وہ بری عادتوں کو چھوڑنے لگ جاتا، اور طلبہ کے ساتھ ان کے اخلاق یہ بھی تھے کہ جب وہ مسجد سے نکلتے تو سب طلبہ چھوٹے ہوں یا بڑے چپل جوتے سیدھے کرتے، طلبہ کواچھا بنانے کی فکرانہیں اس قدر دامنگیر تھی کہ چھوٹے طلبہ کا بڑے طلبہ کے ساتھ اختلاط بڑا ہی ناپسند کرتے، اوراسی طرح طلبہ کا استادوں اور کارکنوں کے ساتھ بھی تنہائی کا تعلق نقصان دہ سمجھتے تھے، اور جس چیز کو مدرسہ اور طلبہ کے لئے نقصان دہ سمجھتے اس پر کارروائی بھی کر دیا کرتے تھے۔ خدمت خلق کا بڑا جذبہ تھا، ایک ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص جو ان کا مدرسہ کے قیام کے تعلق سے مخالف بھی تھا آیا اوراپنی پریشانیاں رکھیں اور تعویذ مانگی، مولانا نے کہا ہم تعویذ نہیں دیتے، اس نے زیادہ اصرار کیا تو اللہ اکبر لکھ کر دے دیا اور اللہ سے دعا کی کہ ہمیں کچھ آتا واتا نہیں، تو بڑا تیرا نام بڑا، تو اس کا کام بنادے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت نے یہ بات ہم لوگوں سے بتائی کچھ دن کے بعد وہ آیا اور خوب ترکاریاں وغیرہ لے کرآیا، اور کہا ہماری سب پریشانیاں وغیرہ دور ہوگئیں، اب ہمارے گھر میں بالکل سکون، بیوی بھی ٹھیک ہے، یہ سب آپ کی دعا کا اثر ہے۔ مولانا کے بہت سے ایسے مخالف بعد میں معاون بن گئے۔ مولانا کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ جس طالب علم کی کوئی خوبی دیکھتے تو اس کا نام لے کر دوسرے طلبہ کو بھی بتاتے تا کہ دوسروں کو بھی شوق ہو۔ مولانا کو ڈھائی تین بجے رات کو ہم نے ایسے لوگوں کو بھی پڑھاتے دیکھا کہ جو نظر میں نہیں آرہے تھے اور مولانا کا پڑھانا سمجھ میں آرہا تھا۔

ڈاکٹر نسیم اختر لاری ندوی ممبرا ممبئی بیان کرتے ہیں کہ:

''میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھا، دین کے علم کے شوق میں ہم نے دیر سے

تعلیم شروع کی بال بچوں والا تھا مگر دین کے علم کے شوق میں یہ ہمت کرلی، ایک شب بمبئی سے مغرب بعد اہلیہ کا فون آیا کہ رہائش سوسائٹی کا کچھ بقایا ہے، اس سوسائٹی کے ذمہ داروں نے کہا کہ اگر کل رقم کا ۷۵ فیصد جو تقریباً ۹ ہزار کے قریب تھا تین دن کے اندر جمع نہیں کیا گیا تو پانی کا نل کاٹ دیا جائے گا، اس پر میں بہت پریشان، متفکر ہوا، کیوں کہ ندوہ کا طالب علم تھا، اور پیسہ کی فراوانی نہیں تھی، ناظم صاحب اور مہتمم صاحب کی اجازت سے ہوسٹل ہی میں بقیہ وقت مطب کرتا تھا، اس سے گھر کا خرچ اٹھاتا تھا، اس فکر و پریشانی کو اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا ہردوئی کی خدمت میں اسی وقت عشاء سے پہلے بذریعہ فون عرض کیا، ندوہ میں میرا تعلیمی قیام حضرت کی ہی اجازت ومشورہ اور انشراح کے بعد ہوا تھا، میں نے اپنے ان حالات سے حضرت مرشدیؒ کو آگاہ کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ اپنی اہلیہ کو فون کرکے بتادیں کہ پانچ سو مرتبہ (یومیہ) یا حی یا قیوم پڑھ لیا کریں تو آپ کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اتریں گے، غیب سے سامان فراہم ہوگا، اور فرمایا کہ ہر مشکل میں "یا صمد یا عزیز یا مغنی یا ناصر" صبح وشام کثرت سے پڑھیں، چنانچہ دوسرے ہی روز اللہ تعالیٰ نے ان تمام ضرورتوں کا جو اٹکی ہوئی تھیں خزانۂ غیب سے پورا فرمادیا"۔

ڈاکٹر نسیم اختر لاری تعاون و ہمدردی کا ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں:

"دوسرا واقعہ یہ ہے کہ عالمیت کے آخری سال میں جو ہماری تعلیم کا بھی آخری سال تھا، کچھ گھریلو اخراجات کی تنگی محسوس ہوئی تو میں ایک جمعرات کی شب میں ہردوئی حاضر ہوا اور اپنے حالات کو قلمبند کرکے ایک مکتوب حضرت کی خدمت میں پیش کیا، اور اس میں خواہش ظاہر کی اگر حضرت کوئی ہمیں قرض دے دے تو تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد انشاء اللہ آہستہ آہستہ اس کی ادائیگی کردوں گا تاکہ ان مشکل حالات سے نکل سکوں۔ حضرت نے مکتوب پڑھ کر مغرب بعد اندر بلایا اور فرمایا کہ میں نے آپ کا خط پڑھ لیا، آپ ذرا بھی فکر نہ کریں، آپ تحصیل علم کے لئے اللہ کے راستہ میں ہیں اللہ محروم نہیں کرے گا اور انشاء اللہ میں اس کا نظم کردوں گا۔

چنانچہ حضرت مولانا نے نماز جمعہ اور کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد اپنے مخصوص کمرہ میں مجھے بلایا اور اپنے دست مبارک سے پچاس ہزار کی ایک کثیر رقم بطور قرض عطا کی، اور فرمایا کہ اس کو آہستہ آہستہ سہولت کے ساتھ دیتے رہیے گا، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں یکسوئی سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، اور تعلیم مکمل کر لینے کے بعد اس قرض کی ادائیگی بھی کی جارہی ہے، نصف کے قریب الحمد للہ ادا ہو چکا ہے''۔

ممبرا بمبئی کے ایک دوسرے متعلق اور طبیب ڈاکٹر صلاح الدین حکیم صاحب سنت کے اہتمام کے تعلق سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''حضرت پر لکھنؤ میں فالج کا جو حملہ ہوا اس سے صحیح طور پر افاقہ نہ ہونے کی وجہ سے بمبئی کا علاج کے لئے انتخاب ہوا، برج کینڈی ہاسپٹل میں حضرت داخل کیے گئے، بیہوشی کی حالت میں I.C.U میں تھے، دوسرے دن عیادت کے لئے میں بھی حاضر ہوا، آکسیجن کے لئے ماسک لگا ہوا تھا، میں نے خیال کیا کہ حضرت بے ہوش ہیں، میں بغیر سلام کے اندر داخل ہو گیا، حضرت نے احساس کیا اور آکسیجن کے ماسک کے اندر سے ہی ذرا آواز سے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں شرمندہ ہوا اور پانی پانی ہو کر ہاتھ پکڑ کر سلام کا جواب دیا''۔

رفیق گرامی مولانا سعید الزماں صاحب ندوی اپنا تاثر بیان کرتے ہیں کہ:

''جب میں حضرت کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوا اور تقریباً تین روز قیام کیا، اس اثناء میں حضرت کی صحبت کا غیر معمولی اثر محسوس کیا، اور یہ اثر واپسی کے بعد بہت دنوں تک قائم رہا، نمازوں میں دل لگنے لگا، اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف توجہ بڑھ گئی، جو اثر میں نے محسوس کیا، وہ اس سے پہلے غالباً کبھی محسوس نہ ہوا تھا''۔

مولانا محمد ایوب صاحب ندوی (ممبئی) استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کہتے ہیں:

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سنتوں کے ساتھ آداب کا بھی بڑا پاس ولحاظ رہتا تھا، وہ

گجرات میں بھاؤنگر ڈاٹھا میں واقع مدرسہ اشاعت العلوم جس کے وہ ناظم بھی تھے تشریف لایا کرتے تھے، وہاں میں درجہ حفظ کا طالب علم تھا، ان کی معذوریوں کی وجہ سے وضو کے لئے پانی وغیرہ رکھنے کی ضرورت پڑتی تھی، یہ سعادت ہمیں حاصل ہوتی، ایک بار کا واقعہ ہے میں تولیہ لے کر آیا اور قدموں کو پونچھا، پھر ہاتھ کو پونچھنے لگا، فرمایا یہ صحیح نہیں کہ جس تولیہ سے پیروں کو پونچھا جائے پھر اسی تولیہ کو ہاتھ اور چہرہ کے لئے استعمال کیا جائے''۔

حضرت والا کو سفید رنگ پسند تھا، کپڑے ہوں تو سفید، مسجد، مدرسہ، خانقاہ، مکان سبھی کچھ سفید، مسجد کے معاملہ میں تو وہ خصوصیت سے اس کی توجہ دلاتے تھے، ان کی توجہ دہانی کی وجہ سے بہت سی مسجدوں کے متولی اپنی اپنی زیر انتظام مسجدوں کو سفید پتوانے لگے، حضرت کی یہ فکر بھی سنت کے ہی اہتمام اور جذبہ سے تھی، اسی سلسلہ کی ایک مرتبہ بات چل رہی تھی میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، مسجدوں میں جو نقش ونگار ہونے لگا اس پر وہ افسوس ظاہر کر رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ ایسی بھی مسجدیں ہیں جہاں ایسا نہیں ہے، تکیہ رائے بریلی میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی وحضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں بڑی سادگی ہے، اور اس میں صرف سفید رنگ ہی چڑھایا جاتا ہے، حضرت بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے، کاملین کی ہر چیز کامل ہی ہوتی ہے۔ حضرت کو دائیں بائیں کا بڑا ہی خیال رہتا تھا۔ ملاقات میں کھانے پینے کی چیز پیش کرنے میں اس کے خلاف ہوتے دیکھتے تو انھیں ذہنی کوفت ہوتی اور تنبیہ فرماتے، مولوی عبداللہ خطیب ندوی کہتے ہیں: ہم لوگ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں ہردوئی حاضر ہوئے، حضرت کی ایماء پر چائے لائی گئی۔ اسی ترتیب سے جس ترتیب سے حضرت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ہم میں سے بعض ساتھیوں نے ایک دوسرے کا خیال کرتے ہوئے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ حضرت نے فوراً ٹوکا۔ اور فرمایا: "الایمن فالأیمن" کہ ترتیب دائیں سے چلے گی''۔

''میرے حضرت'' ایک تاثراتی مضمون

از: حافظ مصباح الدین

اہل اللہ اور داعیوں کی خدمت کے لئے اپنے کو پیش پیش رکھنے والے برادر عزیز حافظ مصباح الدین صدیقی (ہردوئی) نے جو کہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کو عزیز رہے اور بعض موقعوں پر یہ ہی حضرت مرحوم اور اکابر ندوۃ العلماء کے درمیان واسطہ بنے اپنے تاثرات قلمبند کرائے جو شامل کتاب کئے جا رہے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے سراپا جمال وکمال بنایا تھا، نبوی صفات کی اتباع میں انہوں نے کمال پیدا کیا تھا، حضرت مولانا نے خانگی زندگی اور معاشرتی زندگی دونوں میں پابندی کی، یہ میرے بساط سے باہر کی چیز ہے کہ میں حضرت والا کی زندگی پر روشنی ڈالوں، یہاں میں اپنے چند مشاہدات وتجربات کی روشنی میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا، چونکہ میرا خاندانی طور پر عقیدت وارادت کا تعلق دو جگہوں سے خصوصی طور پر رہا ہے ایک ہردوئی کے حضرت سے اور ایک ندوۃ العلماء کے سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے، میں نے ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے کا بڑا پاس ولحاظ کرتے دیکھا ہے، ندوۃ العلماء سے میری تعلیمی وابستگی رہی اور اب خادمانہ تعلق بھی ہے، میں نے یہاں کی فضا میں حضرت ہردوئی کے احترام وعقیدت اور محبت وعظمت کے جھونکے محسوس کیے، جب بھی حضرت والا کی یہاں تشریف آوری ہوتی اور اساتذہ، طلباء کو خبر ہوتی وہ ایک ایک کرکے حضرت سے مصافحہ اور حضرت کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے اور بات سننے کے لئے اکٹھا ہو جاتے، حضرت والا بولتے کیا تھے جیسے ان کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، مصافحہ کے لئے ترتیب قائم ہوتی، دائیں طرف سے سلسلہ شروع ہوتا، قطار میں بڑے چھوٹے سب ہوتے، یہاں تک کہ ایک بار یہ دیکھا کہ اسی قطار میں نائب ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا قاضی معین اللہ اندوری ندوی مرحوم (متوفی ۱۲ راگست ۱۹۹۹ء) بھی ہیں، حضرت مولانا

سید محمد رابع صاحب، حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا برہان الدین صاحب، حضرت مولانا محمد واضح صاحب، حضرت مولانا شہباز صاحب(۱) بھی ہوتے، اسی قطار میں دوسرے اساتذہ اور طلبہ بھی ہوتے، حضرت والا ترتیب سے سب سے مصافحہ کرتے، بے ترتیبی حضرت کو بڑی ناگوار ہوتی تھی، اور وہ اس لئے کہ اس سے سبھی زحمت میں پڑتے ہیں، حضرت کو ہر ایک کی راحت عزیز تھی، سنتوں کا انہیں بڑا لحاظ رہتا تھا، یہاں تک کہ حروف کی ادائیگی میں بھی اس کا خیال فرماتے، اور دوسروں کو بھی متوجہ کرتے۔ صحیح بات دوسروں تک پہونچانے کا بڑا جذبہ تھا، اگر بڑوں کی مجلس میں ہوتے تو ان کی اجازت سے اس فریضہ کو انجام دیتے تھے، دوسروں کے جذبات کا خیال فرماتے خصوصاً علم دین میں جن کا اونچا مقام محسوس فرماتے ان کی بات نہ ٹالتے اور اگر اپنے کو معذور پاتے تو عذر کا اظہار فرمادیتے، یہ اس لئے تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک پر اس کا پہلے اپنا حق ہے۔ حج کے عظیم رکن اسلام کی ادائیگی کے لئے ان کی یہ کوشش ہوتی کہ ان کا کوئی سال اس سے خالی نہ جائے، یہ ان کا جذبہ تھا کہ انہوں نے تیس سے اوپر حج کیے۔ افریقہ، پاکستان، بنگلا دیش کے ان کے اصلاحی ودعوتی اسفار ہوتے۔

حج سے واپسی کے ایک سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت والا علی گڑھ سے ہردوئی جانے کے لئے تشریف لارہے تھے، علی گڑھ میں ان کے داماد حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مطب کرتے ہیں لکھنؤ کے راستے سے ہردوئی جانا تھا، جون کا مہینہ تھا حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بمبئی میں تشریف فرما تھے، مکرمی الحاج محمد بھائی (۲) (مالک بمبئی آندھرا ٹرانسپورٹ) ان

---

(۱) استاذ گرامی مولانا شہباز احمد اصلاحی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بیضاوی شریف اور حدیث شریف کی کتابوں کے بڑے اساتذہ میں تھے، ایک زمانہ تک (جب تک صحت رہی) تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کی خدمت میں رمضان گزارتے رہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب اور سلسلۂ تھانوی کے دیگر مشائخ سے محبت وعقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ ۳؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً وغفرلہ مغفرۃ تامۃ۔

(۲) مجاز بیعت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی۔

کے میزبان ہوا کرتے تھے، میں نے جب حضرت والا کو اطلاع دی کہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب تشریف لا رہے ہیں، اور لکھنؤ ہو کر ہردوئی جانا ہے، تو حضرت والا نے فرمایا کہ دارالعلوم میں تشریف لانے کے لئے حضرت سے درخواست کرنا اور حضرت کو بتا دینا کہ ہم سفر پر ہیں، اگر ہم موجود ہوتے تو ہمیں ملاقات کر کے بے حد خوشی ہوتی جب میں صبح کے وقت اسٹیشن (تقریباً ساڑھے تین بجے) پہونچا تو گاڑی پلیٹ فارم پر آ رہی تھی، حضرت والا نے مجھے دیکھا، خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کیوں تکلیف کی۔ جب حضرت کا پورا سامان گاڑی پر رکھ دیا گیا اور حضرت والا خود گاڑی پر بیٹھ گئے تو میں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت فجر کی نماز دارالعلوم کی مسجد میں پڑھ لیں تو بہتر ہوگا، ہم سب کو بڑی خوشی ہوگی، جب کہ حضرت والا نے اپنا پروگرام راستہ میں نماز پڑھنے کا بنالیا تھا، اور جب ندوۃ العلماء کی بات سامنے آئی تو حضرت خوش ہوئے اور کہا کہ ندوہ چلو۔ جب یہاں تشریف لائے تو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (صدر شعبۂ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء) اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) بڑے مسرور ہوئے، حضرت والا سے مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی نے نماز پڑھانے کے لئے عرض کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ آپ ہی پڑھایئے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب ہی مسجد دارالعلوم میں امام وخطیب ہیں، مولانا سعید الرحمٰن صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت سے کہیے تو میں نے حضرت والا کے سامنے یہ بات رکھی کہ حضرت سب لوگ اس بات سے خوش ہیں کہ آپ تشریف فرما ہیں، آپ ہی نماز پڑھا دیں، ہم سب کو بے حد خوشی ہوگی، حضرت والا فوراً مصلیٰ پر آگے بڑھ گئے امامت فرمائی، سورۂ قیامہ جب پڑھی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت والا کی زبان مبارک سے موتی برس رہے ہیں، حضرت کا قرآن پڑھنے کا خاص انداز تھا، رقت طاری ہو جاتی تھی، نماز کا لطف بڑھ جاتا تھا، نماز کے بعد اپنے معمول کے مطابق منبر پر بیٹھ کر وعظ بھی فرمایا، اور پھر جب مسجد سے نکلے ایک پیالی دودھ گاڑی پر بیٹھ کر پیا، اس لیے کہ دوا لینی تھی، اور فوری طور پر پھر ہردوئی کے لئے روانہ ہو گئے۔

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت والا اپنے اصولوں میں سخت ہیں، درحقیقت وہ اصول کے سخت نہیں تھے، بلکہ ایک نظام کو صحیح طور پر چلانے کے لئے اور نظم وترتیب قائم رکھنے کے لئے ایسا کرتے تھے، بلکہ جو حضرت والا کے پاس قریب جاتا اور ان کی مجلس میں بیٹھتا اور ان کے ملفوظات سنتا فوراً اس کا دل و دماغ کھل جاتا تھا، حضرت اس چیز کی تاکید فرمایا کرتے تھے، کہیں بھی جاؤ اطلاع دو، کسی کے یہاں بے وقت پہونچنا یا بے وقت سفر کرنا ضروری نہیں ہے، اطلاع دینا ضروری ہے، اگر کوئی آدمی بغیر اطلاع کے حضرت والا کے پاس پہونچ جاتا تو حضرت والا پوچھتے آپ کا کیا پروگرام ہے؟ اگر آپ نے حضرت والا کو صحیح بات بتادی تو حضرت والا بڑے خوش ہوتے، اور اسی کے مطابق نظام بنادیتے، صحیح بات سے واقف کرانا اور فوری طور پر جواب دینا ہوتا تھا، اگر کسی نے پروگرام کو تبدیل کیا تو اس سے حضرت کو ناگواری ہوتی، اسی طرح اگر کوئی اپنی کسی نسبت سے باخبر کردیتا یا دوسرے ذریعہ سے حضرت کو اس کا علم ہوجاتا تو حضرت والا اس کا لحاظ فرماتے اور خصوصیت برتتے، اس میں ان کے یہاں علم کی نسبت دین کی نسبت، خاندانی نسبت کام دکھاتیں، اس کے بارے میں آرام وغیرہ کو تعلق سے دریافت کرتے، کئی دفعہ میں نے خود حضرت والا کو دیکھا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب تشریف فرما ہیں، اور میں نے بار بار کہلوایا کہ آپ زحمت نہ کریں، ہم لوگ وہیں حاضر ہوجائیں گے مگر میں دیکھتا تھا کہ حضرت والا وہیل چیئر (Wheel Chair) پر خود تشریف لا رہے ہیں بلکہ میں نے کئی دفعہ کہا کہ حضرت آپ زحمت نہ کریں مگر حضرت والا مسکرادیتے اور کچھ نہ فرماتے، مگر میں نے بار بار دیکھا کہ گاڑی لگی ہوئی ہے اور وہ حضرت مولانا رابع صاحب کو بھیجنے کے لئے تیار کھڑے ہیں، مولانا نے کہا حضرت والا اندر تشریف لے جائیں، یا گاڑی باہر نکال لی جائے تو پھر گاڑی پر بیٹھیں، ایک دفعہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو دیکھا کہ حضرت والا اپنے کمرہ کے دروازہ پر وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے ہیں تو مولانا نے گاڑی وہیں پر رکوادی اور اتر پڑے، جب کہ حضرت نے فرمایا کہ گاڑی آگے بڑھادو، مگر کسی کی ہمت

اور جرأت نہ ہوئی کہ حضرت کے سامنے کوئی ایسی بات کرتا، جب حضرت سے ملاقات ہوگئی اور سب سے مل کر حضرت والا اندر تشریف لے گئے تب گاڑی نکلی، یہی حضرت مولانا مدظلہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کی کھلی دلیل تھی، اور بڑی خوشی کا ماحول بن جاتا تھا، اور یہ حال ہوتا تھا کہ وہ اپنی صاحبزادی صاحبہ اور پکانے والی خواتین سے بھی پرہیزی کھانا حضرت مولانا محمد رابع صاحب کے لئے پکواتے، حضرت کا جتنا وقت قریب آرہا تھا حضرت مولانا رابع صاحب سے تعلق بڑھتا ہی جارہا تھا، حضرت والا ایک دفعہ دارالعلوم میں تشریف لائے، مہمان خانہ کے سامنے طلبہ واساتذہ کا ایک ہجوم تھا، حضرت والا اپنی وھیل چیئر پر تھے، اور گاڑی لگی ہوئی تھی، سب لوگ مصافحہ کرنا چاہ رہے تھے، حضرت والا فرمانے لگے امام (یعنی امیر) سے مصافحہ ومعانقہ کرلیا گویا سب سے ہوگیا مراد حضرت مولانا رابع صاحب تھے، وہ پیچھے کھڑے ہوئے تھے، پھر میں نے کہا کہ حضرت والا فرماتے ہیں آپ سے مصافحہ ومعانقہ ہوگیا یہ سب کی طرف سے کافی ہے۔

ایسے ہی ایک بار دیکھا کہ مغرب کا وقت تھا نماز قیام گاہ پر ہی پڑھنی تھی، حضرت مولانا رابع صاحب سے نماز پڑھانے کے لئے فرمایا، انہیں حجاب ہورہا تھا، از راہ تواضع انہوں نے کہا کہ حضرت کا اشارہ کسی اور کی طرف ہوگا، ایک بڑے عالم اور بھی وہاں موجود تھے، دوبارہ دریافت کیے جانے پر حضرت نے مولانا کو ہی کہا، مولانا رابع صاحب نے نماز پڑھائی اور حضرت اس سے مسرور ہوئے۔

حضرت والا کا جب بھی ادھر بیماری کے ایام میں بمبئ جانے کے لئے لکھنؤ سے گزرتے تو ندوہ تشریف لاتے اور کسی وجہ سے ندوہ نہ آسکتے تو ندوہ کے حضرات زیارت وملاقات کے لئے اسٹیشن پر یا جہاں قیام ہوتا وہاں حاضر ہوجاتے، اور ندوہ کے طلبہ ہردوئی بھی حضرت والا کی خدمت میں جاتے، کئی دفعہ ایسا ہوا کہ نئے طلبہ جن کو پوری واقفیت نہیں ہوتی تھی حضرت کے یہاں کے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اچانک پہونچ جاتے پھر حضرت

والا کو یہ اطلاع دی جاتی کہ دارالعلوم سے طلبہ آئے ہیں، اور طلبہ جمعرات و جمعہ کا وقت نکال کر کہ یہ وقت چھٹی کا ہوتا تھا حاضر ہوا کرتے تھے، حضرت اچانک آنے پر صرف اتنا فرماتے کہ اپنے پورے پروگرام سے دفتر کو مطلع کردیں تاکہ ٹھہرنے اور کھانے پینے میں کوئی زحمت نہ ہو، حضرت کی خدمت میں دارالعلوم کے استادوں میں سے کوئی جاتا تو انہیں اندر بلوا لیتے، کئی دفعہ مولانا عبداللہ حسنی صاحب حضرت کے پاس حاضر ہوئے، مولانا سے حضرت نے فرمایا کہ تقریر کریں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت والا اپنی وھیل چیئر پر تھے تو دوسری کرسی مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے سامنے ڈلوائی اور فرمانے لگے کہ مولانا کچھ نصیحت فرمائیں مولانا یقیناً اس سے پریشانی میں پڑ گئے مگر حضرت کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا، مگر یہ کہا کہ حضرت کی موجودگی میں کچھ کہنا اور سنانا یہ مناسب نہیں میں تو استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ دعا کی درخواست کروں، مگر حضرت کے تقاضہ کے احترام میں ایک دو واقعے انہوں نے سنائے جو غیر مسلموں کے بارے میں ان کے اسلام لانے کے تعلق سے تھے، حضرت نے پوری توجہ سے سنا اور سن کر چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی، پھر دعا دینے لگے، اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح مولانا سید سلمان حسینی صاحب استاد حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت والا کی خدمت میں حاضری دیتے حضرت ان کا بھی بڑا لحاظ وخیال فرماتے اور بیان بھی رکھتے۔

ان حاضریوں میں یہ بھی مشاہدہ میں آیا کہ ایک دفعہ کمرہ میں ہم لوگ ناشتہ کررہے تھے، میں بھی موجود تھا کہ سب نے دیکھا کہ حضرت والا ناشتہ بھیجنے کے بعد وھیل چیئر پر چلے آرہے ہیں، اور ہم سب لوگ حیران و پریشان تھے کہ حضرت والا بڑی زحمت اٹھاتے ہیں، میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت! آپ بڑی تکلیف اٹھاتے ہیں، حضرت نے سنا اور مسکرا دیے یہ حضرت کے اخلاق تھے، جس کا مشاہدہ جا بجا ہوتا رہتا تھا۔

حضرت کے یہاں مدرسہ میں جو جلسہ ہوتا تھا تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو جلسہ میں خطاب کے لئے اہتمام سے دعوت دیتے، کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت

مولانا مدظلہ کی تاریخیں دوسری جگہوں پر طے تھیں، مگر انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش وایماء کو ترجیح دی اور دوسری جگہوں پر اپنے نمائندے بھیجے، جب مدرسہ کے اساتذہ حاضر خدمت ہوکر حضرت مولانا مدظلہ سے کہتے کہ آپ خطاب فرمادیں اس پر مولانا فرماتے میں تو استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں، میں نے حضرت مولانا رابع صاحب سے عرض کیا کہ آپ طلبہ میں خطاب فرمادیں حضرت اندر تشریف فرما ہیں، آپ کی آواز وہاں تک نہیں پہونچے گی، آخر باصرار حضرت مولانا مدظلہ آمادہ ہوئے اور پھر طلبہ واساتذہ میں خطاب فرمایا۔

ایک تعلق کی بات یہ بھی سامنے آئی کہ جب آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا اور حیدرآباد میں صدر کا انتخاب طے پایا تو حضرت والا بمبئی میں تشریف فرما تھے، تو حضرت کی مجھ سے اور بڑے نواسہ علیم الحق صاحب (جو حضرتؒ کے خلیفہ بھی ہیں) سے گفتگو ہوئی اور حضرت نے فرمایا کہ مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب کا صدر منتخب ہوجانا بورڈ کے لئے بہتر ہوگا، اور حضرت اس وقت بڑے متفکر بھی تھے، اور دل سے دعا کررہے تھے کہ ان کا انتخاب ہوجائے، جب اس کی اطلاع دی گئی کہ ایسا ہی ہوا اور وہ منتخب ہوگئے، تو حضرت والا بڑے مسرور ہوئے اور خوشی کا اظہار کیا۔

حضرت کے تعلق کا حال حضرت کے افراد خانہ کو معلوم تھا، یہی وجہ تھی کہ جب مولانا رابع صاحب مدظلہم ہردوئی تشریف لے جاتے تو پورا گھر خوش ہوتا حضرت کی اہلیہ صاحبہ (امی جان) صاجبزادی صاحبہ، نواسے ونواسیاں سبھی خوش ہوتے، ایک آدھ بار مجھے ہردوئی حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی سعادت اس طور پر بھی حاصل ہوئی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی خدمت میں کوئی تحفہ بھیجا تھا، اس وقت بھی ان دونوں بزرگوں کے تعلق کی نوعیت کا کچھ احساس ہوا کہ ایک نے کس محبت وتعلق سے بھیجا اور دوسرے نے کس احترام وعقیدت سے قبول کیا۔

اللہ کے فیصلوں پر تسلیم ورضا، گھبراہٹ، پریشانی، رنج وغم سے اطمینان وسکون قلب

حضرت والا کا ایسا حال بن گیا تھا کہ جس میں کسی وقت فرق نظر نہیں آتا، تربیتی نقطۂ نظر سے اصلاحی مقصد کے پیش نظر فکر وتشویش ہوتی مگر بزرگوں کی جوشان ہوتی ہے کہ وہ کارساز حقیقی اللہ کو ہی جانتے ہیں، حضرت ہردوئی کی یہی شان جلوہ گر تھی، تین سال قبل فالج کا سخت حملہ ہوا، فوراً لکھنؤ لے آئے گئے، بزرگوں کے مزاج شناس معالج ڈاکٹر محمد غوث صاحب قریشی کے زیر انتظام سحر نرسنگ ہوم میں داخل کرایا حالانکہ اس وقت ڈاکٹر غوث صاحب کا حضرت سے اتنا تعلق نہیں تھا جتنا زیر علاج ہونے کے بعد بڑھ گیا تھا پھر تو یہ حال ہوگیا تھا کہ حضرت کہیں سے آرہے ہوں اسٹیشن جا کر لینے یا رخصت کرنے پہونچے ہوئے ہیں، اور اگر ان کے یہاں کے علاوہ کہیں اور قیام ہے تو زیارت وملاقات کے لئے حاضر ہیں، ڈاکٹر صاحب نے حضرت کے ساتھ تعلق وعقیدت کا یہ معاملہ رکھا کہ حضرت کے ساتھ ہی ان کا یہ سلوک واخلاق نہیں تھا ان کے افراد خانہ، اور ان کے آنے جانے والے مہمانوں کے ساتھ بھی ضیافت واکرام کا معاملہ تھا، ڈاکٹر صاحب سبھی کا پورا لحاظ وخیال کرتے، یہیں سے پھر حضرت ہردوئی اعلیٰ علاج کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔

بعد میں جب کہ حضرت کی طبیعت بہتر ہوگئی تھی، اہلیہ مخدومہ (امی جان) کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی، بلکہ فالج کا ہی اثر تھا، حضرت مولانا رابع صاحب سے حضرت والا نے مشورہ کیا، اور پھر اسی سحر نرسنگ ہوم(۱) میں ان کا علاج ہوا، اور وہ ٹھیک ہوکر ہردوئی واپس گئیں (اطال اللہ بقاءہا) اس وقت بھی یہاں حضرت کا قیام رہا، اور لوگ استفادہ کے لئے حاضر ہوتے رہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کے بڑے داماد جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب (بارک اللہ فی حیاتہ) تشریف لائے اور حضرت ہردوئی ان کے ساتھ بڑے اکرام واحترام سے پیش آئے اور دیر تک بیٹھے رہے اور اخلاق ومحبت کی باتیں کرتے رہے۔

---

(۱) واقع سٹی اسٹیشن لکھنؤ۔

ایک واقعہ اوراسی مناسبت سے ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ:

ڈاکٹر رخسانہ (گرین کراس نرسنگ ہوم لکھنؤ) حضرت والا سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتی تھیں ان کی باتیں اور بزرگی سن کر ان کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ حضرت تھانوی کے آخری خلیفہ ہیں، اوراس وقت سب سے بڑے بزرگوں میں مانے جاتے ہیں، ان سے ملنا چاہیے، ہم سے ڈاکٹر رخسانہ نے کہا کہ حضرت والا سے آپ سے بڑا تعلق ہے، اورآپ سے بڑی محبت فرماتے ہیں میری ملاقات کرادیجئے میں نے حضرت والا سے ایک دودفعہ ٹیلی فون پر عرض بھی کیا کہ لکھنؤ کی ایک مشہور لیڈی ڈاکٹر ہیں ڈاکٹر رخسانہ، وہ حضرت مولانا علی میاں صاحب سے بیعت ہیں، نیک اور پرہیز گار خاتون ہیں، اوراللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا بھی دے رکھی ہے جس سے ملت کو فائدہ پہونچ رہا ہے، اورآپ کے پاس دعا کی غرض سے حاضر ہونا چاہتی ہیں، حضرت نے فرمایا میرا ادھر بمبئی کا سفر ہے، کسی دوسرے موقعہ پر ملوادینا اتفاقاً مجھے ہردوئی جانا ہوا، میں نے حضرت ولا کے پاس جاکر تنہائی میں گفتگو کی، اورمیں نے عرض کیا کہ وہ آپ سے ملنے کے لئے بہت فکر مند ہیں، اورآپ کی لوگوں سے باتیں سن کر ان کے دل میں عجیب جذبہ پیدا ہورہا ہے تو حضرت والا نے کہا کہ امی جان سے معلوم کرلیں کہ کل آجائیں، اتفاقاً پھر حضرت کا سفر بمبئی کا تھا، وقت گذرتا جارہا تھا اوران کے دل کے اندر اشتیاق پیدا ہورہا تھا، اندر سے یہ اطلاع آئی چوں کہ دوروز سفر کے باقی ہیں، اورسامان تیار کرنا ہے، اس لئے اس وقت ملنا بہت مشکل ہے، جب پھر حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کروں میں نے عرض کیا کہ حضرت والا اصلاً آپ سے ملنے کی غرض سے آرہی ہیں، اوردعا لینا چاہتی ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ، ان کو اندر جانے نہیں دیا جائے گا، اورآپ ہی سے مل کر واپس ہوجائیں گی، حضرت والا مسکرائے اورخاموش ہوگئے، اورپھر فرمایا کہ ٹھیک ہے، مجھے وہ دن یاد ہے، دوشنبہ کا دن تھا اورجب میں ان کے ساتھ حاضر ہوا تو حضرت والا نے ایک کنارے کے کمرہ میں پورے پردہ کا انتظام کرایا، اوروہیں پرچائے ناشتہ کا انتظام کیا، ساتھ میں ڈاکٹر رخسانہ کے صاحبزادے بھی تھے، انہوں نے بیٹے کے لئے دعا کی درخواست کی، حضرت والا نے مولانا اشرف علی

تھانویؒ کی ایک کتاب منگوائی اوراس کا جو مضمون تھا انہوں نے خود پڑھ کر اپنی زبان مبارک سے سنایا، جب کہ حضرت والا کی کمزوری تھی اور بولنے میں نقاہت اور پھر بیماری کی تکلیفیں اس کے بعد بھی حضرت والا نے اپنی زبان مبارک سے وہ پورا مضمون سنوایا اور اس کتاب کو ہدیہ بھی کیا اور یہ فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہے جب کہ حضرت اپنے کمرہ سے خود وھیل چیئر پر آئے، اور خود ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی، اور فرمانے لگے، میں دُعا کرتا ہوں سب کے لئے اور بے حد مسرور ہوئے، اور خوشی کا اظہار کیا، اور ڈاکٹر رخسانہ نے حضرت والا سے مل کر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اور کہنے لگیں کہ چہرے پر نور ہے، میں نے عرض کیا حضرت آپ کو بڑی تکلیف ہے، ہم کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کریں آپ نے ہمت افزائی کی پھر حضرت نے اپنا مضمون سنایا، ہم لوگ اس طرح خوش ہوکر واپس آئے کہ ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہمیں بہت بڑا قیمتی تحفہ مل گیا ہے، اور حضرت کو بھی بڑی خوشی ہوئی، ان کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ نیک خاتون ہیں، ہمدردوں کا معاملہ کرتی ہیں، اور حضرت نے اسی کی نصیحت بھی فرمائی کہ جو کام کرو، اللہ کی رضا کے لئے کرو، اس کا صلہ آپ کو دنیا میں ملے یا نہ ملے، مگر آخرت میں ملے گا، ہم لوگ حضرت والا کے بے حد ممنون اور شکر گزار ہوئے، اتفاق کی بات کہ حضرت والا ہردوئی سے بمبئی تشریف لے جارہے تھے اسی اثناء میں ڈاکٹر عبدالمعبود خاں کی والدہ کا انتقال ہوا تو جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے ندوہ میں لائے، وہ اس غرض سے لائے تھے کہ بہت بڑی تعداد یہاں ہے، علماء، حفاظ کا مجمع ہے اور حضرت مولانا رابع صاحب موجود ہیں وہ نماز پڑھادیں گے، مگر اللہ کی مصلحت کہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کو بھیج دیا، حضرت والا سے میں نے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں گے کہ حضرت مولانا رابع صاحب سے پڑھواؤ مگر حضرت مولانا رابع صاحب کو اس بات سے خوشی تھی کہ حضرت موجود ہیں حضرت ہی پڑھادیں، حضرت نے ان کی والدۂ محترمہ کی نماز پڑھائی۔

تربیت مریدین کے تعلق سے حضرت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے وہ یہ کہ وہ قول وقرار کا پکا رہے، اسی لیے بیعت لینے میں ہی وہ محتاط تھے، اور بسا اوقات اپنی احتیاط کا ان لفظوں میں اظہار بھی کردیتے تھے کہ سوچ لو سمجھ لو، ورنہ ایک اور گناہ پڑے گا وہ وعدہ خلافی کا ہے،

چنانچہ وہ وعدہ کے مطابق عمل نہ کرنے والے کی تادیب ضروری سمجھتے اس سلسلہ کا ایک واقعہ بنگلور کے جناب حسن موسیٰ سیٹھ صاحب نے سنایا کہ بنگلور سے میسور کا سفر طے تھا، میں نے حضرت سے گزارش کی کہ حضرت میری گاڑی پر تشریف لے چلیں اور اس کے لیے ایک وقت دے دیا گیا، میں تاخیر سے پہونچا جس سے حضرت کے معمولات متاثر ہوئے، حضرت نے یہ تادیب فرمائی کہ میری گاڑی کے بجائے دوسرے کی گاڑی پر بیٹھے، مجھ پر اس بات کا شدید اثر پڑا، توبہ استغفار کیا، دعائیں مانگیں، اور حضرت سے معافی تلافی کی، راستہ میں ایک جگہ رکنا تھا وہاں حضرت نے نہایت نرمی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا، ہمیں قریب کیا، اپنی پلیٹ میں اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا اور دعائیں دیں، یہ تھے حضرت کے اخلاق۔

ادھر آخری دنوں میں حضرت سراپا شفقت ومحبت بن گئے تھے، جو ان کی خدمت میں جاتا اس کے سایہ رحمت والفت میں آجاتا، اور دل ودماغ میں وہ کیف وسرور لے کر واپس ہوتا کہ جس کی لذت وچاشنی تازہ رہتی، ان کی ایک ایک ادا یاد آتی ہے، ان کی دلداری، دلجوئی، خوردنوازی بے چین کرتی ہے، ہم جیسے گنہگار کے ساتھ بھی ان کی شفقت کا یہ معاملہ تھا کہ کبھی ہمت وجرأت کر کے ایک بات مناسب سمجھتے ہوئے درخواست پیش کردی اس شرط کے ساتھ کہ اگر حضرت کو انشراح ہو تو یہ منظور فرمالیں، یا اس فیصلہ پر نظر ثانی فرمالیں، اس خادمانہ جرأت کو بھی حضرت نے نظر انداز نہیں فرمایا اور بعض لمحات میں درخواست قبول کر کے بہت ممنون کیا، آج بھی سوچتا ہوں اپنے مقام کو دیکھ کر شرم کے مارے سر نیچا ہو جاتا ہے، آنسوؤں کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہم لوگوں پر فضل وکرم تھا کہ ہمارے علاقہ میں حضرت والا کی تقریباً ہر سال تشریف آوری ہوتی یہاں کے دعوتی، تعلیمی جلسوں میں وہ بڑے اہتمام سے شریک ہوتے، اور ان جلسوں کی سرپرستی فرماتے، اسہی اعظم پور اور رسول پور آنٹ میں جو ہردوئی ضلع کے جڑواں گاؤں ہیں، حضرت نے ابتدائی دینی مکاتب قائم کئے، اور منشی احمد صدیق صاحب کو ذمہ دار بنایا تھا ان مکاتب کی حضرت والا کو ہمیشہ فکر رہی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت والا کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم گنہگاروں کو ان کی صحیح اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رسائل وجرائد

حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ کوخراج عقیدت پیش کرنے میں برصغیر کے دینی رسائل وجرائد نے بھی اہتمام کیا، اخبارات نے بھی نمایاں خبریں شائع کیں، اور مضامین بھی شائع کئے، پاکستان، ہندوستان کے اردواخبارات نے بھی اس خبرکونمایاں کیا، عربی مجلّات وجرائد میں البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ، الداعی دارالعلوم دیوبند، الرائد دارالعلوم ندوۃ العلماء، میں وقیع تاثرات شائع ہوئے، تعمیر حیات لکھنؤ نے گوشۂ محی السنۃ کے نام سے اپنے ایک شمارے میں وقیع مضامین دیئے، ندائے شاہی مرادآباد میں بھی کئی مضامین شائع ہوئے، ماہنامہ مظاہرعلوم سہارن پور نے اردو ماہنامہ بانگ حراء لکھنؤ، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، دوماہی فکر اسلامی بستی نے معلومات افزاء مضامین شائع کئے۔آئینہ مظاہرعلوم نے خصوصی اشاعت بھی پیش کی، ماہنامہ صوت القرآن گجرات اورارمغاں شاہ ولی اللہ پھلت نے بھی محی السنۃ نمبر شائع کیا، پاکستان میں الفاروق، الحق، البلاغ، اورضرب مومن اوردیگر رسائل وجرائد نے مضامین شائع کئے، ہم یہاں نمونہ کے طور پر ''الشارق اعظم گڑھ'' سے مولانا عمیرالصدیق دریابادی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ کی ایک تحریر پیش کررہے ہیں جو اپنی جامعیت توازن اوراسلوب نگارش کے اعتبار سے بھی نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

''گذشتہ دنوں ملت اسلامیہ ہندیہ کو ایک اورسخت صدمہ سہنا پڑا بقیۃ السلف اورمحی السنہ مولانا شاہ ابرارالحق حقی کی شخصیت بابرکت سے محروم ہونا پڑا وہ مولانا اشرف علی تھانوی کے بزم کی آخری شمع بن کر اصلاح ودعوت وتبلیغ کی روشنی پھیلا رہے تھے، ہزاروں، لاکھوں کوان کی ذات سے فیض پہونچا، ہردوئی میں ان کے قائم کردہ مدرسہ اشرف العلوم نے دینی علوم اورخاص طور پر قرآن مجید کے علم پر خاص توجہ کی، قرأت کی درستگی، اورتجوید کے فن میں ترقی، اس مدرسہ کی خاص برکات میں ہیں، معاشرہ کی اصلاح پر حضرت کا خاص زور تھا، یہ نکتہ ان کی نظر سے کبھی

پوشیدہ نہیں رہا، کہ مسلم معاشرہ کی اصلاح صرف سنت نبوی کی پیروی میں ہے، سنت کی ہرادا کا اہتمام والتزام ان کی تعلیمات کی روح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت کی برکت تھی کہ ان کو غیر معمولی مرجعیت حاصل ہوئی، ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے مدارس اوردعوت وتبلیغ کے مراکز سے ان کی وابستگی اورتعلق کی بنیاد میں بھی یہ جذبہ کارفرما تھا، حق تعالیٰ حضرت حقی کی مغفرت فرمائے اوراپنے خاص کرم سے نوازے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک وملت کوان کانعم البدل عطافرماکراس امت پراپنی رحمت کے تسلسل کوقائم رکھے آمین''۔(۱)

---

(۱)اشراقات ''الشارق''اعظم گڑھ، شمارہ۴، جلد۸۔

حصہ نظم

وصیت شیخ جناب انیس احمد پر خاصوی الہ آباد

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل علالت کے بعد صحت یابی کے موقع پر محترمی جناب انیس احمد پر خاصوی صاحب دام مجدہ نے یہ اشعار کہے تھے اور حضرت والا کو سنائے بھی تھے، چوں کہ ان اشعار میں حضرت کے احیائے سنت وازالۂ منکرات کے مشن کا بخوبی ذکر بھی آ گیا جو ایک پیغام کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ان تاثرات کو نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

مایوسیوں کے صحرا میں امید کا چمن
لگ ہی چکا تھا چاند کو پوری طرح گرہن

عالم پہ چھاگئی تھی مصیبت کی تیر گی
جب چھٹ گیا گہن تو ملی پھر سے روشنی

حضرت کی علالت سے تھے ہم اس قدر نڈھال
دل ہی اداس رہتا تھا ہنسنے کا کیا سوال

روتے تھے گڑگڑاتے تھے اللہ کے حضور
کردے معاف ہم سبھی خدام کے قصور
حضرت کی عمر اور بڑھادے مرے خدا
تجھ سے دعا یہ ہے کہ صحت جلد ہو عطا

جب تک ہمارے شیخ رہے اسپتال میں
ہے کون جو رہا نہ ہو رنج وملال میں

جیسے کہ چھین لی ہو کسی نے ہراک خوشی
ہم عرض کیا کریں کہ تھے ہم کس قدر دکھی

اللہ تو ہماری دعاؤں کو کرقبول
حضرت ہمارے شیخ ہیں اورنائب رسول

یہ معجزہ ہی تھا کہ دعائیں ہوئیں قبول
ایسا لگا کہ جیسے پریشاں تھے ہم فضول

خدام مثلِ بلبل ومینا چہک اٹھے
کلیاں چٹک کے کھِل گئیں گلشن مہک اٹھے

عکسِ جمال مانا کہ رحمت ہے دوستو
کیفیت جلال بھی نعمت ہے دوستو

ساقی کے میکدہ میں کہاں اب جلال ہے
رخصت ہوا جلال فقط اب جمال ہے

جس پر پڑی ہے حضرتِ ہردوئی کی نظر
قربان اس نے کردیا اپنا دل وجگر

فضلِ خدا سے شیخ صحت مند ہوگئے
فرمایا جاگتا ہوں مگر لوگ سوگئے

اٹھ جاؤ اوراٹھ کے چلو سنتوں کی راہ
کچھ حزن مت کرو نہ پریشاں ہوخواہ مخواہ

سن لو جو کہہ رہاہوں محبت کی بات ہے
سنت کی راہ اور شریعت کی بات ہے

اللہ کے رسول سے الفت ہے گر تمہیں
سنت کی راہ چاہیئے پیشِ نظر تمہیں

ہروقت کی دعاؤں کا بھی اہتمام ہو
یادِ الٰہی ذکرِ نبیؐ صبح وشام ہو

سالک کا حسن اور یہی اس کا ہے جمال
منکر سے اجتناب اَوامر کا امتثال

وابستہ مجھ سے جو ہیں سنیں وہ ذرا مزید
سنت سے عشق جس کو ہے وہ ہے میرا مرید

قرآن پڑھ رہے ہو تو تجوید سے پڑھو
مجہول پڑھنا چھوڑ کے معروف تک بڑھو

گانے کی طرح کھینچ کے ہرگز اذاں نہ دو
جس لفظ کا جو حق ہے بس اتنا ادا کرو

اللہ میں لام اتنا بڑھاؤ کہ مد نہ ہو
مد کو نہ اتنا کھینچو کہ جس کی بھی حد نہ ہو

خدمات کی ہیں جس نے اسے دل سے ہے دعا
دارین کی بھلائی عطا کر اسے خدا

نزدیک اوردور سے جس نے بھی کی دعا
تو کر جزائے خیرعطا ان کو اے خدا

پائے گا نیک عمل میں وہی سنتوں کا نور
رہتا ہے جوانیسؔ سدا بدعتوں سے دور

دعوتِ ابرار

قصیدہ در منقبت مولانا ابرار الحق حقیؒ

(از ڈاکٹر محمد حسین فطرتؔ بھٹکلی)

جناب ڈاکٹر محمد حسین فطرتؔ بھٹکلی دینی حمیت وغیرت کے حامل شخص اور ایک فطری شاعر ہیں۔ علماء ومشائخ میں انہیں خصوصیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م۱۴۲۰ھ) اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب حقیؒ (م۱۴۲۶ھ) سے نیازمندانہ تعلق رہا ہے، انہوں نے ازراہ شفقت یہ منقبت ارسال کی جو برادر عزیز مولوی سمعان خلیفہ ندوی کے شکریہ کے ساتھ شامل کی جارہی ہے۔

ابلاغ کی محنت ہی ابرار کی دعوت ہے
اور حق کی شہادت ہی ابرار کی دعوت ہے

قرآنی بصیرت ہی ابرار کی دعوت ہے
رُوحانی نظافت ہی ابرار کی دعوت ہے

اذکار کی محنت ہی ابرار کی دعوت ہے
ہر لحہ یہ عادت ہی ابرار کی دعوت ہے

گر ذکر ضروری ہے تو فکر بھی لازم ہے
یہ حُسنِ طبیعت ہی ابرار کی دعوت ہے

خلوت ہو کہ جلوت ہو یا سیر وسیاحت ہو
ہر لحہ عبادت ہی ابرار کی دعوت ہے

جوتارکِ سُنت ہے وہ بندۂ غفلت ہے
پابندیٔ سنّت ہی ابرار کی دعوت ہے

گر حق کی رضا میں ہو، ہرکام عبادت ہے
تلقینِ عبادت ہی ابرار کی دعوت ہے

دانا جو ہے ہر شئے سے ہوتا ہے سبق اندوز
تذکیر کی عادت ہی ابرار کی دعوت ہے

اسلام کے معنی ہیں راضی برضا ہونا
تسلیم کی حالت ہی ابرار کی دعوت ہے

تہلیلِ خداوندی ہے داعیہ فطرت کا
تکبیر کی فطرت ہی ابرار کی دعوت ہے

٠٥

تعزیت نامہ

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ

جناب کامل چائلی صاحب زید مجدہٗ، خلیفہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ

انجمن میں سب سے پہلے ہم کریں حمد خدا
بعد اس کے لب پہ جاری ہو ثناء مصطفیٰ

سنتے ہیں شہر کراچی میں خبر یہ دل خراش
کچھ نہ پوچھو فرطِ غم سے ہوگیا دل پاش پاش

یوم سہ شنبہ مئی کی سترہ قبل عشاء
ہوگیا دنیا سے رخصت رہبر راہِ صفا

جب سنا دنیا سے رخصت ہوگیا جانِ کرم
ٹوٹ کر گرتا ہے دل پر اس گھڑی کوہِ الم

ہوگئی تاریک دنیا چھاگئے غم کے سحاب
بن گیا فرطِ الم سے دل سراپا اضطراب

زندگی میں آگیا کیسا اچانک انقلاب
ہوگیا آنکھوں سے اوجھل وہ درخشاں آفتاب

حیف صحن گلستاں کا بانکپن جاتا رہا
رہ گیا خالی چمن جان چمن جاتا رہا

کشتی ہے منجدھار میں سنتے ہیں ساحل دور ہے
کارواں ساکت کھڑا ہے ناخدا مستور ہے

ہے اندھیرا ہی اندھیرا آج تاحدِ نظر
کچھ نہیں آتا سمجھ میں جائیں تو جائیں کدھر

آج محفل کس قدر بے کیف ہے بے نور ہے
کیا سنائیں شعر جانِ انجمن مستور ہے

پیرومرشد کی جدائے کس قدر ہے دل پہ شاق
کیا کریں مجبور ہیں دنیا ہے یہ دارالفراق

بدلا بدلا سا نظر آتا ہے گلشن کا نظام
کیاہوئی صبح درخشاں کیاہوئی رنگین شام

شاخ وگل برگ وشجر دیواردودر ہیں سوگوار
مسجد ومحراب ومنبر سب کے سب ہیں اشکبار

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں آنکھیں آج اس کو چارسو
چھپ گیا جانے کہاں وہ آج میرا ماہرو

شیخ کامل غوث دوراں، منبع لطف وکرم
حضرت اشرف کا نائب نائب شاہِ امم

مونس وہمدرد وغمخوار وشفیق ومہرباں
ہوگیا دنیاسے رخصت حیف اپنا قدرداں

اپنا سورج بعد مغرب حیف ہوتا ہے غروف
رات کی تاریکیوں میں کھوگئے سارے قلوب

ایسا مونس ایسا مشفق اورایسا غمگسار
اب کہاں پائیں گے ہم جانِ سکوں جانِ قرار

زینت قرآن پر اورعظمت قرآن پر
رہتی تھی معروف اور مجہول پر ہردم نظر

عین سنت کے مطابق ہوں نمازیں سب ادا
آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی بس صبح ومسا

اک مجدد کی خلافت کا ہو جس پر اختتام
سوچنے کی بات ہے کیا ہوگا پھر اس کا مقام

میکدہ میں دیکھتے ہیں اے خدا کیا آج ہم
مے کے بدلے پی رہے ہیں آج میکش اشک غم

مے نہیں میکش نہیں یا جام وپیمانہ نہیں
سب تو ہیں موجود اک ساقیِ میخانہ نہیں

ہوگیا زیر زمیں مہرولایت گونہاں
نورلیکن ہے زمیں سے عرش تک اس کا عیاں

بعد رحلت نور سنت رخ پہ تھا اس کے نثار
اوربلائیں رحمت حق لے رہی تھیں بار بار

وقت پیری آگیا تھا لوٹ کر ایسا شباب
فصل گل میں مسکرائے جیسے گلشن میں گلاب

سرور عالم کی سنت سے تھا اس کو اتنا پیار
اپنی پوری زندگی کو کردیا اس پر نثار

مرچکی تھیں سنتیں جتنی انہیں زندہ کیا
از سرنو ایک اک سنت کو تابندہ کیا

آیا تھا دنیاں میں وہ احیائے سنت کے لیے
حق نے بھیجا تھا اسے کارنبوت کے لیے

کام پورا کرکے سب دنیاسے رخصت ہوگیا
تھک چکا تھا سائیہ رحمت میں جاکر سوگیا

گھر کے ہرخوردوکلاں کو کرعطا صبرجمیل
راہِ سنت پر چلا ان سب کو اے رب جلیل

جتنے ہیں اہل تعلق صبر کر سب کوعطا
نقش پائے شاہِ ہردوئی پہ ہم سب کو چلا

محترم بھائی کلیم اللہ صاحب یقیں
آپ کو حضرت نے خود اپنا بنایا جانشیں

کررہا ہے اہل محفل سے یہ کامل التجا
آپ کے حق میں کریں سب استقامت کی دعا

دعوت الحق کے مدارس جتنے بھی ہیں اے خدا
تو حفاظت ان کی فرما اور ترقی کر عطا